لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

جمالِ یوسف

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رح

کا

تذکرہ و سوانح

مولا[illegible]یوم حقانی

تحصیل و تکمیل علم، فقر و درویشی، عبدیت و انابت، عشق رسول ﷺ و اتباع سنت، درس و تدریسِ حدیث، محدثانہ جلالتِ قدر، عظیم فقہی مقام، فضل و کمال، دینی و علمی کارنامے، سیرت و اخلاق، مجاہدانہ کردار، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، قادیانیت کا فاتحانہ تعاقب، اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مساعی و جہاد......

الغرض دلچسپ، جامع اور بعض رُلا دینے اور عمل صالحہ کی انگیخت کرنے والے حیرت انگیز واقعات

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان فون 0923-630237

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی

دیگر تصنیفات و تالیفات

۱- حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ (جلد اول) ۲- توضیح السنن شرح آثار السنن للامام النیموی ؒ (دو جلد) ۳- شرح شمائل ترمذی (جلد اول) ۴- اسلامی انقلاب اور اس کا فکری لائحہ عمل ۵- دفاع امام ابوحنیفہؒ (اردو) ۶- دفاع امام ابوحنیفہؒ (پشتو) ۷- امام اعظمؒ کے حیرت انگیز واقعات (اردو) ۸- امام اعظمؒ کے حیرت انگیز واقعات (پشتو) ۹- امام اعظمؒ کے حیرت انگیز واقعات (فارسی) ۱۰- علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات ۱۱- علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات (پشتو) ۱۲- خطبات حقانی ۱۳- امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست ۱۴- ارباب علم و کمال اور پیشۂ رزق حلال ۱۵- کتابت اور تدوین حدیث ۱۶- صحبتے با اہل حق ۱۷- مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں ۱۸- ساعتے با اولیاء ۱۹- مشاہیر کی علمی اور مطالعاتی زندگی ۲۰- کشکول معرفت (دو جلد) ۲۱- ہدایہ اور صاحب ہدایہ (اردو) ۲۲- ہدایہ اور صاحب ہدایہ (پشتو) ۲۳- اسلامی سیاست اور اس کے انقلابی خدوخال ۲۴- شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر ۲۵- سودی نظام کا تحفظ اور وکالت کیوں؟ ۲۶- نفاذ شریعت کے لئے فکری انقلاب کی ضرورت ۲۷- اسیر مالٹا مولانا عزیر گل ۲۸- سراغ زندگی ۲۹- عبداللہ بن مبارکؒ کے حیرت انگیز واقعات ۳۰- سوانح قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمودؒ ۳۱- سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ۳۲- میر کاروان مولانا فضل الرحمٰن ۳۳- میرے حضرتؒ میرے شیخؒ ۳۴- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نمبر ۳۵- ابوحنیفہ ہند مولانا مفتی کفایت اللہؒ نمبر ۳۶- نقوش حقانی: ۳۷- تحفۂ فکر و عمل ۳۸- عالمانہ مجاہدانہ تقریریں ۳۹- جمال یوسف۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مولف

الحمد لحضرۃ الجلالۃ و الصلوٰۃ و السلام علٰی خاتم الرسالۃ

مسلمانان عالم میں زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ اخلاف اپنے اسلاف اور اصاغر اپنے اکابر کے محاسن و مناقب اور خصائل و شمائل مرتّب و مدوّن کر کے آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ تے ہیں ۔ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا یہ اجماعی دستور بلا وجہ نہیں ہوسکتا بلکہ قرآنی ارشادات اور احادیثِ مبارکہ بھی اس طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں ۔محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تم اپنے مرنے والوں کے نیک کارنامے اور مناقب ذکر کیا کرو ۔معلوم ہوا کہ اموات کا ذکر خیر شارع علیہ السلام کی طرف سے مامور بہ ہے ۔ذکرِ خیر کی سب سے بہترین صورت یہ ہے کہ ان کی آبدار و تابدار حیات کے روشن واقعات کو قلم بند کر کے محفوظ کر دیا جائے تاکہ رہتی دنیا تک یہ ذکر خیر باقی رہے اور زندگی کی کٹھن راہوں میں آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو اور امروز و فردا کے آتشیں لمحات میں ان دلچسپ واقعات، حالات، کمالات اور محاسن سے اپنے فکر و عمل کی سمت کا تعین کیا جا سکے۔

لیکن یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سی تاریخ ساز، عہد آفرین اور نادرہ روزگار شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی مکمل سیرت وسوانح مروّجہ سیرت وسوانح کے طرز پر مستقل کتابی صورت میں عرصہ دراز تک مرتب نہیں ہوتی۔ یہی معاملہ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ پیش آیا جن کی وفات ۱۷/۱۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ہوئی لیکن ربع صدی گذر رہی ہے، ماہنامہ "بینات" کی خصوصی اشاعت کے بعد ان کی سیرت وسوانح پر ان کے شایان شان کتاب منظر عام پر نہیں آئی۔ حضرت شیخ بنوریؒ ایک عظیم محدّث، فقیہ، مورّخ، مصنّف، محقّق، معلّم، مدرّس، مقرّر اور شب زندہ دار صوفی تھے۔ ان کی کتابِ زندگی کے مطالعہ سے ان کے علمی تبحر، ذوقِ مطالعہ اور علمی عظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ جب بھی اس عظیم شخصیت کا خیال آتا ہے تو یادوں کا ایک جہاں سامنے آکر دل کو مضطرب اور بے کل کر دیتا ہے۔

کس کی یادیں خرمنِ دل میں ہیں عارف شعلہ زن
سوزشِ افزوں سے خاکستر ہوا جاتا ہے دل

حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد کتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ حالات نے کس قدر پلٹا کھایا۔ جہان آب وگل میں کتنے انقلاب رونما ہوئے لیکن حضرت بنوریؒ آج بھی مسلمانوں کے دلوں میں زندہ وتابندہ ہیں۔ حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد ماہنامہ بینات نے فروری ۱۹۷۸ء میں محدث العصر نمبر شائع کیا۔ ان کی سعی قابل قدر اور لائق تحسین ہے تاہم ضرورت تھی کہ مروجہ جدید انداز میں بھی حضرت شیخؒ کی سیرت وسوانح کے روشن اور تابناک ابواب کو نمایاں کیا جاتا۔ ان کے کمالات، ان کی جامعیت، ان کے علمی، تصنیفی، تحقیقی اور تدریسی مرتبہ وانہماک، فکرمندی ودلسوزی، رجوع الی اللہ،

عاشقانہ ادائیں، تقویٰ وخشیتِ الٰہی، زہد واستغناء، ایقان وتوکل، فیاضی وایثار، جرأت و شجاعت اور غلبۂ اسلام کی جد و جہد کو بیان کیا جاتا تاکہ محرکِ عمل محاسن کو سامنے رکھ کر ہمت میں بلندی، قلب ونظر میں وسعت اور عملِ نافع کا شوق پیدا ہو۔

حضرت شیخ کی سوانح پر قلم اٹھاتے وقت یہ تمام مذکورہ اوصاف وکمالات مجھ گنہگار کے پیش نظر تھے۔ مجھ کو اس کام کی عظمت اور اپنی کم مائیگی کا قدم قدم پر احساس ہوتا رہا۔ کہاں مجھ جیسا ادنیٰ طالبِ علم اور کہاں حضرت شیخ بنوریؒ .... ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی

حضرت بنوریؒ جیسے شجر سایہ دار نے اس چمنستانِ عالم میں وہ گل اور بوٹے دیئے کہ دنیا حیران ہوئی۔ لاکھوں انسانوں نے اس شجر سایہ دار کی پر کیف اور روح افزا چھاؤں میں بیٹھ کر سکونِ قلب اور راحتِ دل حاصل کرنے کے ساتھ اس کی خوشبو سے اپنے مشام جان کو معطّر کیا۔

حضرت شیخ ؒ ایک بلند پایہ عالم اور اپنے اکابر واسلاف کی ایک علمی یادگار اور نمونہ تھے۔ انہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی زندگی وقف کر کے نہایت اعلیٰ و ارفع کارنامے انجام دیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ فطری طور پر ایسی خوبیوں کے حامل تھے کہ جن کو قلم بند کر کے آئندہ نسلوں کے سامنے پیش کرنا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ایک حیثیت سے فرض عین تھا، کیونکہ ایسے اکابر کے صلاح وتقویٰ سے مزیّن حالات اور دلچسپ واقعات ہر ایک کے لئے تبلیغ وتذکیر کا سامان فراہم کرتے ہیں اور ان کی مثالی زندگیاں ہر زمانے میں وقت کے اندھیروں میں ہدایت و رہنمائی کا چراغ جلائے

رکھتی ہیں۔

عرضِ مؤلف

پیش نظر سوانح میں حضرت شیخ بنوریؒ کی مدح سرائی، منقبت نگاری، القاب آرائی اور مبالغہ آمیزی سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کشف و کرامات، روحانی تصرفات اور خرقِ عادات واقعات کے بیان سے بھی احتراز کیا گیا ہے۔ کیونکہ روایاتی کراماتوں کا تذکرہ، تعریف و توصیف اور مدح و منقبت تحصیلِ حاصل کے مترادف ہے۔ اس تالیف کا بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ حضرتؒ کی زندگی کے وہ پہلو سامنے لائے جائیں جو محرکِ عمل ہوں، جنہیں پڑھ کر قاری کے ذہن میں عمل کا داعیہ پیدا ہو۔ اس سے قبل احقر کی تصنیفات میں سے "سوانحِ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ" اور "سوانحِ قائد ملت مولانا مفتی محمودؒ" کی ترتیب و تدوین کا مقصد بھی یہی تھا اور اب بھی یہی مقصد پیش نظر ہے۔ ربّ ذوالجلال کا صد شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے ایک مقبول و مخلص بندے کے حالاتِ زندگی، دینی و علمی خدمات اور ظاہری و باطنی کمالات پر کچھ لکھنے کی سعادت عطا فرمائی ہے۔ اللہ کرے یہ سعادت کاتب الحروف سمیت قارئین کے لئے دارین کا سامان ہو جائے۔

حکایت از قدِ آں یار دل نواز کنیم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

عبدالقیوم حقانی
جامعہ ابی ہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ
ربیع الاول ۱۴۲۳ھ / جون ۲۰۰۲ء

باب : ۱

پیدائش، تعلیم وتربیت

ذوق کتب بینی اور کسب علم

خاندانی پس منظر:

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا نسبی اور خاندانی تعلق حضرت سید آدم بنوریؒ سے ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ اجل تھے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور اور جلیل القدر شیخ تھے۔ ان کی جائے پیدائش بنور تھی۔ بنور ضلع انبالہ ریاست پٹیالہ میں سرہند کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔ اسی نسبت سے حضرت سید آدم بنوریؒ کی اولاد بنوری کہلاتی ہے۔ بنوری خاندان کے کچھ لوگ سکھوں کے غلبہ کے دور میں سرحد میں آ کر آباد ہوئے اور اب بھی یہ لوگ پشاور، گڑھی میر احمد شاہ، بھانہ ماڑی اور کوہاٹ میں آباد ہیں۔

والدین:

حضرت شیخ بنوریؒ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ کے والد ماجد سید زکریا بادشاہ، صاحبِ حال بزرگ، جید عالمِ دین، حاذق طبیب اور تعبیر رویا کے امام تھے۔ موصوف عربی اور اردو کی بہت سی کتب کے مصنف ہیں۔ بعض طبع ہو چکی ہیں اور بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ حضرت شیخ بنوریؒ کی والدہ ماجدہ قبیلہ محمد زئی کابل کے شاہی خاندان سے تھیں جو آپ کی ولادت کے تھوڑے عرصے بعد وفات پا گئیں۔

پیدائش:

چودھویں صدی ہجری کے آغاز کو تقریباً آٹھارہ سال بیت رہے تھے کہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں ضلع مردان کے ایک چھوٹے سے گاؤں مہابت آباد (جو کہ رشکئی اسٹیشن کے قریب واقع ہے) میں محدّث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ولادت ہوئی۔

دامن تربیت:

محدث العصر شیخ بنوریؒ نے جس ماحول اور گھرانے میں آنکھ کھولی وہ ایک علمی، دینی، مذہبی اور روحانی گھرانہ اور ماحول تھا۔ آپ کے پردادا میر احمد شاہ بڑے ذی وجاہت بزرگ تھے۔ ان کے محلے میں صرف اس شخص کو سکونت کی اجازت تھی جو نماز کا پابند ہو۔ آپ کی دادی سیدہ فاطمہ ولیہ تھیں۔ حضرتؒ ان کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ فرماتے مجھے دعاؤں کا ذوق اپنی دادی سے حاصل ہوا اور میں نے بہت چھوٹی عمر میں " ظفر جلیل شرح حصن حصین " پڑھ لی تھی۔ اس کتاب سے دعائیں بھی یاد کیں اور

اردو بھی سیکھی۔

محدث العصر حضرت شیخ بنوریؒ کی پھوپھی سیدہ مریمؒ بھی صاحبِ کرامات ولیہ تھیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی طرح غیر موسمی پھل ان کے پاس آتے تھے۔ اس قدر مرتاض عابدہ وقانتہ خاتون تھیں کہ انہوں نے سورۃ یٰسین پڑھتے ہوئے وضو کی حالت میں چرخے پر سوت کاتا اور اس کا کپڑا بنوا کر اپنے کفن کے لئے رکھا تھا۔ بعد میں جب محدث العصر شیخ بنوریؒ کے والد مولانا سید زکریاؒ درویشی کے عالم میں کہیں چلے گئے اور گھر میں کچھ نہیں تھا تو اس عابدہ خاتون نے اس کپڑے سے حضرتؒ کے لئے عید کا جوڑا بنا دیا۔ جب دامن تربیت ایسے نیک، پارسا اور متقی لوگوں کا ہو تو اس دامن میں پلنے والا بچہ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بن کر کیوں نہ نکلے۔

ابتدائی تعلیم:

محدث العصر شیخ بنوریؒ کے شب و روز کے رفیق، بے تکلف دوست اور درس و تدریس کے ہم دم ساتھی حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری بیان فرماتے ہیں کہ:

" حضرت محدث العصر اکثر خلوت میں مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بچپن میں میرے والد نے میری تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی۔"

لیکن قدرت نے اس جوہر کو پروان چڑھانے کے لئے خود ایسے انتظامات کئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے محدث کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے وارث اور امین بن گئے۔

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی

محدث العصر شیخ بنوریؒ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اپنی ابتدائی تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں:

" قرآن کریم اپنے والد ماجد اور ماموں سے پڑھا۔ امیر حبیب اللہ خان کے دور میں افغانستان کے دارالحکومت کابل کے ایک مکتب میں علمِ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس دور کے مشہور استاذ شیخ حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری شہید (۱۳۴۰ھ) ہیں۔ علاوہ ازیں فقہ، اصول فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابیں پشاور اور کابل کے اساتذہ سے پڑھیں۔" (بینات، بنوری نمبر، ص۹)

پاکدامنی وعفت:

مولانا لطف اللہ پشاوریؒ محدث العصر شیخ بنوریؒ کے دارالعلوم دیوبند کے دورِ طالب علمی کی یادیں سناتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" ہم دونوں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ دونوں چھتّہ مسجد کے حجرے میں رہتے تھے۔ ہماری عمر تقریباً ایک تھی لیکن مجھے ان کی عفت و پاکبازی، حلم و حیا اور متانت ووقار نے بہت متاثر کیا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس عنفوان شباب میں بھی ان سے کوئی حرکت متانت کے خلاف سرزد ہوئی ہو۔" (خصوصی نمبر، ص۲۶)

خود محدث العصر شیخ بنوریؒ اپنے دورِ طالب علمی کے بعض واقعات کبھی کبھی سنایا کرتے تھے کہ کس طرح ابتدائی تعلیم میں آپ کو مشکلات پیش آئیں۔ معمولی سا سبق لینے کے لئے اپنی بستی سے کافی دور جانا پڑتا تھا۔ صبح سویرے سردی کے زمانہ میں سبز

چائے اور مکئی کی روٹی کا ناشتہ کر کے اتنی دور جانا پڑتا تھا کہ جب واپس آتا تو روٹی ہضم ہو چکی ہوتی۔

ذوقِ مطالعہ:

محدث العصر شیخ بنوریؒ خود فرمایا کرتے تھے:

"میں نے اپنی قوت و طاقت تخریج اور مآخذ کے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی، ورق گردانی، مظان وغیر مظان سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں بلکہ کئی کئی راتیں اور دن گزار دیتا اور اس کے لئے ایک کتاب کی مجلدات پڑھتا اور جب مجھے اپنی متاع گم شدہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا۔ شیخ نے دوران درس جس کتاب کا حوالہ دیا ہوتا اس سے مسائل نکالنے کا التزام کر رکھا تھا۔ لہٰذا میں کتاب سیبویہ، رضی شرح کافیہ، دلائل الاعجاز، اسرار البلاغۃ، عروس الافراح، کشف الاسرار دیکھنے پر مجبور تھا۔

جس طرح میں شروح حدیث کی اہم کتابیں فتح الباری، عمدۃ القاری اور فقہ مذاہب میں شرح مہذب، مغنی لابن قدامہ اور رجال میں کتب رجال دیکھنے پر مجبور تھا۔ اگر مجھے جوانی میں یہ شغف نہ ملتا اور قدرت کی طرف سے بحث وجستجو کا شوق اور شیخ کے جواہر پارے سمیٹنے کا شغف نہ ہوتا تو میں اس بارگراں کا اہل نہیں تھا۔ حدیث کی اہم کتابوں میں سے کسی کتاب کی شرح میرے لئے اس کٹھن کام سے بہت زیادہ آسان تھی۔"

(خصوصی نمبر، ص ۱۴۰)

شوق مطالعہ:

ایک دن درس بخاری میں فرمایا:

" جب ہدایہ پڑھتا تھا تو فتح القدیر، البحر الرائق اور بدائع ۔ ان تینوں کتابوں کا دو سبق کے قریب مطالعہ کرلیا کرتا تھا اور میرا مطالعہ ہمیشہ استاذ کے سبق سے آگے رہتا تھا۔ پھر مشکوٰۃ شریف کے سال بدایۃ المجتہد اور حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرتا تھا اور ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت نصیب ہوئی اور حضرت شاہ صاحب کے پاس مذاہب اربعہ کی کتابیں تھیں ۔ چنانچہ میں کتاب الأم للشافعی ، المغنی فقہ حنبلی اور المجموع شرح مہذب وغیرہ کا مطالعہ کرتا تھا جس سے مجھے شوق پیدا ہوا اور میں نے مذاہب اربعہ کی اکثر کتب متداولہ کا مطالعہ کیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ یہ تمہارے اندر مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لئے سنا رہا ہوں۔" (خصوصی نمبر، ص۱۸۲)

کتب بینی کا اشتیاق:

محدث العصر حضرت شیخ بنوریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

" ڈابھیل کے قیام میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ ایک ایک بات کی تحقیق کے لئے میں نے پانچ پانچ سو، ہزار ہزار، دو دو ہزار صفحات کا مطالعہ کیا۔

سرسری نظر ڈال کر اگر کتاب دیکھی جائے تو بہت سے لوگ ایک ایک رات میں پانچ پانچ سو صفحوں کی کتاب دیکھ لیتے ہیں لیکن اگر بغور وتعمق مطالعہ کیا جائے تو یہ بہت ہی مشکل کام بن جاتا ہے اور مولانا کی مراد یہی تھی۔"

(خصوصی نمبر، ص۶۳۲)

حضرت محدث العصر شیخ بنوریؒ کی زندگی کا مقصد، ہدف، منزل اور حاصل یہی تھا کہ علم اور بس علم۔ ان کی پوری زندگی تحصیل علم سے عبارت تھی۔ ان کا عشق، ان کی محبت، ان کے جذبات، ان کا شعور، ان کا فکر اور ان کی زندگی کا ہر زاویہ علم کے محور سے وابستہ تھا۔ آج کے دور میں شاید کسی کو یہ اچنبھا معلوم ہو اور ممکن ہے کہ کوئی اسے مبالغہ پر محمول کرے مگر ہمارے اسلاف کی تاریخ یہی ہے کس کس بات کو اور تاریخ کی کون کونسی حقیقت کو جھٹلاؤ گے! علمی تشنگی اور ذوق مطالعہ کا جذبہ نہ ہوتا تو آج مولانا محمود حسنؒ شیخ الہند نہ بنتے، مولانا مفتی کفایت اللہؒ مفتی اعظم کا مقام نہ پاتے، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ ادب میں امامت کے درجہ کو نہ پہنچتے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ العرب والعجم کے لقب سے ملقب نہ ہوتے، حضرت مولانا مفتی محمودؒ سیاست وقیادت کی معراج کو نہ چھوتے، محدثِ کبیر حضرت مولانا عبدالحقؒ شیخ الحدیث اور قائدِ شریعت نہ بنتے اور ایسے ہی صاحبِ تذکرہ وسوانح محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے صحیح جانشین اور لسان انور شاہ بننے کا اعزاز حاصل نہ کر پاتے۔ آج نہ ان کو کوئی محدث العصر اور محدث کبیر کہتا، نہ ان کا تذکرہ ہوتا اور نہ ان کی سوانح کے عنوان سے ان سطور کے لکھنے کی نوبت آتی۔ محدث العصر شیخ بنوریؒ کی محنت ومطالعہ، ذوق علم اور تعب ومشقت کے پیش نظر خدا تعالیٰ نے علمی کمالات سے نوازا اور ان کا فیض ملکوں ملکوں پھیلایا۔

شوق مطالعہ کا فقدان:

آج صرف طالبان علوم نبوت سے یہ شکوہ نہیں کہ ان میں شوق مطالعہ کا فقدان ہے بلکہ کچھ ہوائیں ہی ایسی چل پڑی ہیں۔ ایک وہ وقت تھا جب ساری ساری رات

دکانداروں کی دکانوں کے دروازوں سے چراغوں کی روشنی کے دھاروں کو غنیمت سمجھ کر مطالعہ واستفادہ یا تحریر وتسوید میں گذر جاتی تھی۔ ایک ایک کتاب کے لئے طلبہ ترستے تھے، ارباب ذوق پگھلتے تھے، دور دراز علاقوں کا سفر کرتے تھے اور آج کتب خانوں کی کثرت ہے، چھاپہ خانوں کی بہتات، طباعت ایسی کہ آنکھیں خیرہ ہوں، کاغذ ایسا کہ صحیفہ ریشم معلوم ہو، کتاب اتنی صاف اور ایسی عمدہ کہ عقل دنگ رہ جائے۔ اب وہ کونسی کتاب ہے جو منصۂ شہود پر نہیں آئی مگر استفادہ کون کرے، پڑھے کون؟ شوق مطالعہ اور کتب بینی کے اشتیاق کا نام رہ گیا ہے، کیفیت لٹ گئی ہے۔

اور ہمارا حال تو جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے فرمایا ہے کہ......

وصل ہو یا فراق ہو غالبؔ

جاگنا ساری رات مشکل ہے

ہمارے اسلاف نے تو دل گردہ اور خونِ جگر سے علوم نبوت اور فنون اسلامی کی آبیاری کی تھی۔ اب وہ کہاں؟

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر

نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

باب : ۲

تذکرہ اوراحترام اساتذہ

محدث العصر شیخ بنوریؒ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں طالبِ علم رہے لیکن جب دارالعلوم دیوبند میں اختلافات رونما ہوئے اور محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور کئی دیگر اجلہ علماء دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل منتقل ہو گئے تو حضرت شیخ بنوریؒ بھی اپنے مربی ومحسن اور شفیق استاد حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی الفت ومحبت، اطاعت اور عشق و والہیت میں ان کے ساتھ ڈابھیل چلے گئے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ہی فارغ التحصیل ہوئے۔ ذیل کی سطور میں آپ کے چند مشہور اساتذہ کا مختصر تذکرہ نذر قارئین ہے۔

خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ:

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ آپ کے خصوصی اور سب سے بڑے شیخ ہیں۔ شیخ بنوریؒ اپنے شیخ کشمیریؒ کے سچے عاشق اور محبِ صادق تھے۔ ان کی ایک ایک ادا کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا، گویا آپ حضرت کشمیریؒ کے عکس جمیل اور پرتو

تھے۔ وہی اخلاق، وہی عادات، وہی خصائل، وہی شمائل، وہی انداز، وہی آواز، گویا حدیثِ دیگراں میں سر دلبراں آشکارا ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ اپنے شیخ اور استاد کی محبت سے آخر دم تک سرشار رہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے کہ: "محمد انور شاہؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔" شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے تھے کہ: "مجھ سے کوئی پوچھے کہ تم نے حافظ ابن حجرؒ، عسقلانیؒ، حافظ تقی الدین بن دقیق العیدؒ، سلطان العلماء عز الدین بن عبد السلامؒ کو دیکھا تھا تو میں ہاں کہہ دوں گا کیونکہ میں نے انور شاہ کو دیکھا تھا۔ اگر انور شاہ ان علماء کے دور میں ہوتے تو یہی ہوتے۔" امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا: " صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا، انور شاہؒ پیچھے رہ گئے۔"

امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن سے کسبِ فیض کیا۔ ۱۳۱۴ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سندِ حدیث کے علاوہ باطنی فیوضات سے بھی مستفید ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ آپ کئی سال تک دار العلومِ دیوبند میں بغیر تنخواہ کے درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ قدرت کی جانب سے ایسا عدیم النظیر حافظہ عطا کیا گیا تھا کہ ایک مرتبہ کی دیکھی ہوئی کتاب کے مضامین و مطالب تو اپنی جگہ، عبارتیں تک مع صفحات و سطور کے یاد رہتیں۔ وہ وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اپنی مثال آپ تھے۔ علومِ حدیث کے حافظ و نکتہ شناس، علومِ ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ دار العلومِ دیوبند سے بعض اختلافات کے باعث آپ اپنے فرائض سے دست کش ہو کر مدرسہ ڈابھیل تشریف لے

گئے اور وہاں درس حدیث جاری رکھا۔ یہیں حضرت شیخ بنوریؒ نے آپ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے پہلے موطا امامِ مالک پڑھی اور ترمذی شریف "باب مس الذکر" تک اور بخاری شریف "باب حب الانصار من الایمان" تک پڑھی۔ شورش کاشمیری مرحوم نے کہا تھا.........

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انورشاہؒ کا ثانی نہیں

حضرت مولانا غلام رسول خان صاحبؒ:

جامع المعقول والمنقول حضرت العلامہ مولانا غلام رسول صاحب مرحوم دارالعلومِ دیوبند کے درجہ علیا کے اساتذہ کرام میں سے تھے۔ حضرت کا علم بحر بے پایاں اور عمیق تھا۔ تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ پر کامل دسترس تھی۔ دارالعلومِ دیوبند میں علمِ کلام و فلسفہ اور منطق کی بعض اونچی کتب مثلاً قاضی شرح سلم العلوم، صدرا، شمس بازغہ اور حدیث شریف میں طحاوی شریف اور مسلم شریف بھی پڑھاتے تھے۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے دارالعلومِ دیوبند میں مسلم شریف حضرت موصوف سے پڑھی۔ حضرت طلباء پر بہت شفیق تھے۔ متانت اور وقار کے پہاڑ تھے، بردباری اور تحمل کا پیکر تھے اور نہایت نفیس الطبع تھے۔ لباس، چال ڈھال ہر چیز میں نفاست مترشح ہوتی۔ انتہائی متواضع انسان تھے۔ ایک ادنیٰ شاگرد سے بھی ایسے گفتگو فرمایا کرتے تھے جیسے کوئی بڑے علامہ سے ہم کلام ہو۔ یہی وجہ تھی کہ طلباء بڑے شوق سے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ تیس سال تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ:

مدرسہ امینیہ دہلی سے انہوں نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا مگر چند ماہ بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ یہاں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔ ان کا درس تفسیر وحدیث اہل علم میں مقبول ومشہور تھا۔ ۱۸ سال تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھاتے رہے۔

حضرت شیخ بنوریؒ نے دارالعلوم دیوبند میں مشکوٰۃ المصابیح مولانا موصوف سے پڑھی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح التعلیق الصبیح کے نام سے آٹھ جلدوں میں لکھی اور معارف القرآن کے نام سے سات جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔ سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر سیرتِ مصطفیٰ سمیت ان کی جملہ تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے۔ علم وفضل، زہد وتقویٰ اور اتباعِ سنت میں ان کا بڑا مقام تھا۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ علم وعمل میں سلفِ صالحین کا نمونہ تھے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ:

مفتی عزیز الرحمٰن ۱۲۷۵ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بڑے بھائی تھے۔ اکثر کتابیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور بانی دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے پڑھیں۔ ۱۲۹۸ھ میں آپ نے سندِ فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد دارالعلوم میں بلاتنخواہ مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۰ھ میں آپ کو دارالعلوم کا مستقل مفتی بنادیا گیا۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے دارالعلوم دیوبند میں آپ سے جلالین شریف پڑھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ صرف عالم اور مفتی نہ تھے بلکہ عارف باللہ اور صاحبِ باطن بزرگوں میں سے تھے۔ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی

مستقلاً جاری رہتا تھا۔ ہزارہا بندگان خدا آپ کی باطنی تلقین و تربیت سے فیضیاب ہوئے۔ مزاج میں از حد سادگی تھی۔ اہل محلّہ کا سودا سلف خود ہی بازار سے خرید کر لاتے تھے۔ ۱۷/ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دار العلوم دیوبند کے درجہ علیا کے اساتذہ میں سے تھے۔ مفتی صاحبؒ کا علم بہت وسیع اور گہرا تھا۔ تمام متداول دینی علوم میں بہترین استعداد رکھتے تھے۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے ان سے مقامات حریری پڑھی۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ ۸ جلدوں میں معارف القرآن کے نام سے قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے جو بیان القرآن کی تسہیل ہے۔ موصوف نے کئی محققانہ کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً دو سو کے قریب ہے۔ صرف فقہ میں ان کی تعداد نوے (۹۰) سے اوپر ہے۔ مختلف اوقات میں ان کے قلم سے لکھے گئے فتاویٰ کی تعداد دو لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ۱۹۵۱ء میں دار العلوم کے نام سے کراچی میں ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جو اس وقت ملک کا ایک بہت بڑا دینی مرکز اور علمی ادارہ ہے۔

مولانا عبد الرحمٰن امروہویؒ:

حضرت مولانا عبد الرحمٰن امروہویؒ بانی دار العلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ دار العلوم دیوبند میں تفسیر و حدیث کے اسباق ان کے ذمہ تھے۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے دورہ حدیث کی اہم کتاب صحیح بخاری شریف آپ سے پڑھی۔ آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے اجازتِ بیعت

حاصل تھی۔ کچھ عرصہ تک دیو بند اور ڈابھیل میں درس حدیث دیتے رہے۔ پھر امروہہ میں ایک عرصہ تک درس دیا۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور حضرت شیخ بنوریؒ کے علاوہ کئی حضرات شامل ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ کے فرزندِ ارجمند اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے برادرِ خورد تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے۔ علوم عقلیہ سے خاص مناسبت تھی۔ دارالعلوم کے اونچے طبقے کے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ اختلافات کی وجہ سے دارالعلوم چھوڑ کر ڈابھیل منتقل ہوگئے تھے۔ ڈابھیل میں ایک عرصہ تک شیخ التفسیر کی حیثیت سے کام کیا۔ حضرت شیخ بنوریؒ کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی بیماری اور علالت کے باعث حضرت شیخ بنوریؒ نے آپ سے ترمذی شریف پڑھی۔ حضرت مولانا عثمانیؒ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ علمِ حدیث میں ان کی گراں قدر عربی تصنیف فتح الملہم حنفی نقطۂ نظر سے صحیح مسلم شریف کی پہلی شرح ہے۔

یہ ان کا ایسا زندہ و جاوید کارنامہ ہے جس نے ان کے علم و فضل کو تمام عالم اسلام میں روشناس کرا دیا ہے۔ جس کا تکملہ پاکستان کے ممتاز جید عالمِ دین دارالعلوم کراچی کے نائب مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۃ القرآن الکریم پر گرانقدر تفسیری حواشی لکھے ہیں۔ ان کی یہ خدمت بھی عوام و خواص میں بڑی قدر کی نگاہ

سے دیکھی جاتی ہے۔ان حواشی میں قرآن مجید کے اسرار و معارف کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ تشکیک کے سب کانٹے خود بخود ذہن سے یکے بعد دیگرے نکلتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ محمد زاہد الکوثریؒ:

مصر میں جن اکابر علماء سے آپ نے استفادہ کیا ان میں سب سے نمایاں شخصیت خلافتِ عثمانیہ کے نائب شیخ الاسلام، شیخ محمد زاہد الکوثریؒ کی تھی جو امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی طرح اپنے دور کے اعلم اہل الارض تھے۔حضرت شیخ بنوریؒ نے ان سے تقریباً ایک سال تک استفادہ کیا اور انہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد اکبر المشائخ سمجھتے تھے۔شیخ کوثریؒ کو بھی آپ سے گہرا تعلق تھا۔

اس کے علاوہ حضرت شیخ بنوریؒ کے اولین اساتذہ میں مولانا حافظ عبداللہ سکنہ لنڈی شامل ہیں جن سے آپ نے علمِ صرف کی کتابیں پڑھیں۔یہ حافظ صاحب بڑے نیک، متقی اور پارسا تھے۔بے گناہ شہید ہوئے۔کابل کے مولانا عبدالقدیر صاحب بھی حضرت شیخ بنوریؒ کے اساتذہ میں تھے۔ان سے حضرت بنوریؒ نے ملا جلال کے اسباق پڑھے۔

حضرت شیخ بنوریؒ دوران طالب علمی جہاں بھی رہے، اپنے اساتذہ کرام کی نوازش ہائے پیہم کا مرکز بنے رہے۔بالخصوص امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ تو آپ کے ساتھ بغایتِ محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔مغربی تہذیب وتمدن کے اس دور میں استاد اور شاگرد کے درمیان الفت ومحبت، عشق ووالہیت اور اخلاص و عقیدت کو سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہے۔انگریزی تہذیب وتمدن اور جدید تعلیم کا یہ

تعفّن بد دش نظام برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوا تو صدیوں کی روایات الٹ گئیں۔ آج انقیاد و اطاعت اور ادب و احترام کے وہ مناظر قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ علم و عمل میں برکات محض کتابوں اور بیانات تک محدود رہ گئے ہیں۔ پہلے طلباء سکون کے ساتھ درس میں ایک ایک لفظ کا افادہ اپنے حق میں نعمت غیر مترقبہ سمجھتے، اب اگر طلباء سکون کے ساتھ استاد کی بات سن لیں تو استاد کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ گذشتہ دور نے یہ تخیل پیدا کیا تھا کہ استاد کی زبان سے نکلے ہوئے ایک لفظ کی بھی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی اور آج ٹیوشن کی معمولی فیس استاد کے پورے علم کو خرید سکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: جس نے مجھے ایک حرف سکھایا میں اس کا ہمیشہ کے لئے غلام بن گیا۔

حضرت شیخ بنوریؒ اس مبارک عہد کی پیدوار تھے۔ جب شاگردی رشتہ غلامی کا دوسرا نام تھا اور حضرت شیخ بنوریؒ اپنے اساتذہ کے بے دام غلام تھے، خصوصاً امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے عشق و محبت، عظمت و عقیدت اور فنائیت و محویت کے لحاظ سے گویا وہ ان ہی کی تصویر تھے، وہی خو بو، وہی طرز و انداز، وہی لب و لہجہ، وہی طور و طریق اور وہی رنگ و روپ ....

ع

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

خدمت و صحبتِ استاذ:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ بیان فرماتے ہیں:

" مولانا مرحوم کو امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے اسی زمانہ میں انتہا درجہ کی عقیدت پیدا ہو گئی تھی، دار العلوم میں قیام پر کچھ عرصہ گذرا تو

آپ نے عربی میں ایک طویل خط حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں لکھا جس میں ان سے استدعا کی گئی تھی کہ مجھے اپنا خادم بنالیں۔ شاہ صاحبؒ نے خط پڑھا، لے کر رکھ لیا اور دوسرے وقت آنے کو کہا۔ مولانا مقررہ وقت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ صاحبؒ نے سب سے پہلا سوال کیا کہ ادب کہاں پڑھا ہے؟ عرض کیا کہیں نہیں، فرمایا: بس آپ کو حاجت نہیں، اتنا کافی ہے۔"

استاذ کی رفاقت میں دارالعلومِ دیوبند چھوڑ دینا:

مولانا لطف اللہ آگے تحریر فرماتے ہیں:

" میں تو امتحان دیکر واپس پشاور آ گیا۔ ادھر دیوبند میں مشہورِ زمانہ اسٹرائک ہوگئی جس میں مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا بدرِ عالمؒ اور مولانا سراج احمدؒ وغیرہ کا مہتمم حضرات سے اختلاف ہوا اور فیصلہ ہوا کہ یہ حضرات دارالعلوم سے علیحدہ ہوکر کسی اور جگہ تشریف لے جائیں۔ پچانوے فیصد طلباء بھی ان کے ساتھ تھے اس لئے ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جو ان مدرسین کے ساتھ ان سب طلباء کا بوجھ بھی برداشت کر سکے۔ بالآخر ڈابھیل کے سیٹھ گارڈین اور موسیٰ میاں وغیرہ نے مشورہ کر کے ڈابھیل میں نئے دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں رفقاء سمیت تشریف لانے کی درخواست کی۔ جو طلباء ان کے ساتھ دارالعلومِ دیوبند سے ڈابھیل گئے ان میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی شامل تھے۔

(خصوصی نمبر، ص ۲۷)

شیخ سے محبت اور فنائیت:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رقم طراز ہیں:

" امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ آپ کے خصوصی اور سب سے بڑے شیخ ہیں۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ اپنے شیخ کے سچے عاشق اور محبّ صادق تھے۔ ان کی ایک ایک ادا کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ ان کی محبت سے آخر دم تک سرشار رہے اور کسی نہ کسی مناسبت سے اس انداز سے ان کا ذکرِ خیر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اپنے شیخ سے مل کر آ رہے ہیں۔ ان کے ملفوظات ایسے محفوظ کر رکھے تھے کہ ہو بہو انہیں الفاظ میں بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے واللّٰہ ھذا لفظہ واللّٰہ ھذا لفظہ، ان کے ذکرِ خیر کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ہر بُن مو سے اظہارِ تشکر و امتنان اور ہر لفظ و حرف سے محبت و عقیدت کا چشمہ ابل رہا ہے۔ آپ نے امام العصر سے ہی اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کئے اور سب سے زیادہ فیض اٹھایا۔ سفر و حضر میں ان کے خادم اور ایک سال سے زیادہ عرصہ تک شب و روز ہمہ دم ان کے رفیق رہے۔ (خصوصی نمبر، ص ۵۳)

حاصل زندگی:

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی لکھتے ہیں:

" امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کو کشمیر کا سفر درپیش ہوا تو مولانا بنوریؒ بھی ساتھ رہے۔ اس سفر میں قیام کے حالات ایک خاص انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ اپنے شیخ کے ساتھ والہانہ عشق کے واقعات مزے

لے لے کر سناتے تھے۔ اسی سفر میں مولانا نے شیخؒ سے کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں۔ مطوّل اور شرح سلم بحر العلوم کا نام لیتے تھے۔ یہ دونوں کتابیں حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے بھائی سیف اللہ شاہ کے لئے شروع کرائی تھیں۔ مولانا بھی شریکِ درس ہو گئے تھے۔ مولانا بنوریؒ فرماتے تھے کہ میرا یہ سفر حاصلِ زندگی تھا، میرے شب وروز کا ایک منٹ اور ایک سیکنڈ بھی حوائج ضروریہ کے علاوہ شیخ کے علوم کے لئے وقف تھا۔ بہترین صحت، جوانی کا زمانہ، کشمیر کی آب وہوا، اچھی غذا، نیند آتی تھی لیکن میں دو اڑھائی گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا۔ کشمیر میں سردی کافی تھی مگر رات کو اڑھائی تین بجے اٹھ جاتا اور شیخ کے لئے پانی گرم کرتا اور وضو کا انتظام کرتا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیخ اٹھ جائیں اور میں ابھی بیدار نہ ہوا ہوں۔"

فنا فی الشیخ:

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مزید لکھتے ہیں:

" مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے تعلق اور وابستگی کے ابتدائی کسی سال میں ایک دن اپنی نشست گاہ میں حضرت مولاناؒ تنہا تشریف فرما تھے، میں کسی سلسلہ میں حاضر تھا۔ سلسلۂ گفتگو تو مجھے یاد نہیں بہر حال میں نے عرض کیا حضرت! میری آپ سے وابستگی کا راز صرف یہ ہے کہ میں آپ کے آئینہ میں اس محبوب ہستی کا عکس دیکھتا ہوں جس سے مجھے انتہائی محبت ہے۔ حضرت مولاناؒ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حقیقت ہے کہ میں آپ کی بیشتر مجلسوں میں صرف حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی باتیں آپ کی زبان سے سننے کے لئے بیٹھتا تھا،

کیونکہ آپ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی باتوں کا ٹیپ ریکارڈر تھے۔ بالکل ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ ہی بول رہے ہیں اور جب تک حضرت مولاناؒ، شیخ نوراللہ مرقدہ کی باتیں نقل کرتے رہتے، انتہائی محویت اور کیف وسرور کے عالم میں سنتا رہتا اور جب آپ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرتے تو تکدر کے ساتھ بیٹھا رہتا یا اٹھ کر چلا آتا اور جب حضرت مولاناؒ مکان سے آہستہ آہستہ مدرسہ تشریف لاتے اور میں دور سے آپ کو دیکھتا تو بالکل ایسا محسوس ہوتا جیسے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ خراماں خراماں تشریف لا رہے ہیں۔" (خصوصی نمبر، ص ۱۸۰)

حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت شیخ بنوریؒ کی اپنے شیخ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے تعلق اور خدمت کے بڑے دلچسپ واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خدمتِ شیخ:

(۱) "حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ خادمِ خاص اور سفر و حضر کا رفیق و حاشیہ نشین، جسے یوسف شاہ کہہ کر پکارتے تھے، خدمتِ شیخ کے سلسلہ میں ایسی دقیق نفسیات کی رعایت کرتا تھا کہ عقل حیران ہے۔ فرماتے تھے کہ "بدن دبانا بھی ایک فن ہے، ہر شخص کو اس کا سلیقہ نہیں آتا۔ میں نے شاہ صاحبؒ کی خدمت کے لئے یہ فن باقاعدہ سیکھا تھا۔" اور کبھی کبھی فرماتے تھے کہ "الحمد للہ میں نے اپنے سے بہتر خادم کسی کو نہیں دیکھا۔" اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بیان فرماتے تھے کہ حضرت شیخؒ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، انہیں دردِ سر

کی شکایت شروع ہوئی، میں چہرۂ انور سے پہچان گیا، چپکے سے اٹھا اور سر دبانے لگا۔ مجھے ایک خاص رگ معلوم تھی جس کے دبانے سے اس درد کوافاقہ ہو جاتا تھا۔ حاضرین مجلس کو نہ درد کا احساس ہوا، نہ میرے اٹھنے کا سبب معلوم ہوا، میں اکثر حضرت شیخؒ کے چہرۂ انور سے پہچان لیتا تھا کہ آپ کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔"

شفقت کا نرالا انداز:

(۲) فرماتے تھے کہ سفر کشمیر کے دوران جب حضرت شاہ صاحبؒ اپنے گھر پر تھے تو میں آپ کے والد ماجد (مولانا معظم شاہؒ) سے حضرت کے بچپن کے حالات کرید کرید کر معلوم کرلیا کرتا تھا، وہ میری عقیدت ومحبت سے بہت ہی متاثر تھے۔ دستر خوان پر طرح طرح کی چیزیں میرے لیے جمع کرتے تھے اور شفقت کی حد یہ کہ ننھے بچوں کی طرح لقمے بنا بنا کر میرے منہ میں ڈالتے، حضرت شاہ صاحبؒ اس دلربا منظر کو کنکھیوں سے دیکھتے (یہاں حضرت بنوریؒ، شیخؒ کے دیکھنے کے خاص انداز کی حکایت بھی فرماتے تھے) حضرتؒ کے والد ماجد مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ "انور شاہ کیسا عالم ہے؟" اور جب میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں اپنی رائے ذکر کرتا (لم ترى العیون مثله و لم یرهو مثل نفسه) تو والد ماجد فرماتے کہ "خیر عالم تو اور بھی ہوں گے مگر مجھے تو انور شاہ کی نیکی و پارسائی کی وجہ سے ان سے محبت ہے" اور کبھی فرماتے: "اس باپ کی مسرت کا اندازہ کون کرسکتا ہے جس کا بیٹا انور شاہ ہو۔" (خصوصی نمبر، ص ۷۲۹)

صبح کو سویا نہ کریں:

آپ کی خدمت اور اطاعت کے جذبے کو دیکھ کر آپ کے تمام اساتذہ، خصوصاً محبوب استاد حضرت کشمیریؒ آپ کی تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرشید ارشد اس ضمن میں ایک واقعہ روایت کرتے ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ اپنے استاد کی خدمت، پھر اپنے علمی مشاغل کی وجہ سے رات دیر تک جاگتے۔ لہٰذا صبح فجر کی نماز کے بعد علامہ کے اشغال واوراد کے وقت سو جاتے۔ حضرت علامہ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مولانا کو ایک دن فرمایا کہ میں فجر کی نماز کے بعد تمہیں فلاں کتاب پڑھایا کروں گا۔ منشا اس کا یہ تھا کہ مولانا صبح کو سویا نہ کریں کیونکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو سونے سے منع فرمایا ہے۔ اس طرح مشفق استاد نے اپنی سنت نبویؐ کی بے مثال اطاعت کی نظیر پیش کی کہ شاگرد کا خلافِ سنت عمل کرنا حکمتِ عملی اور تدبر سے رفع فرمادیا۔ " (خصوصی نمبر، ص ۶۳۷)

یہ ادب واحترام اور خدمت واطاعت ہی کا صلہ تھا کہ اللہ نے آپ سے اپنے دین کی خدمت لی اور دنیا کے کونے کونے میں آپ کی علمی عظمت کا ڈنکا بجا۔ عوام تو عوام ہیں خود آپ کے اساتذہ نے آپ کو اپنی محبت اور اعتماد سے نوازا۔

اساتذہ کی جانشینی کا اعزاز:

مولانا لطف اللہ پشاوریؒ فرماتے ہیں:

" ڈابھیل میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دونوں بزرگوں کی مسند حدیث کے وارث آپ ہوئے۔ آپ کی علمی شہرت

اس زمانے میں تمام ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔آپ نے مدرسہ کے شیخ الحدیث کی مسند کو زینت بخشی اور بخاری وترمذی اور ابوداؤد کا درس آپ کو تفویض کیا گیا۔آپ اس پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں استاذوں کی جانشینی کا شرف نصیب فرمایا۔ تقسیم ملک تک آپ اسی منصب پر فائز رہے۔" (خصوصی نمبر،ص ۳۷)

شیخ انورؒ کی محبت اور اعتماد:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ رقم طراز ہیں:

" شیخ ؒ نے ان کی جانفشانی لگن، محبت، عقیدت وخدمت کو دیکھ کر اتنا اثر لیا کہ آپ کو اپنے ساتھ ملحق کرلیا اور "ضرب الخاتم" کے حوالے "اسفار اربعہ" سے نکالنے کا کام سپرد کیا اور اس سلسلہ میں محنت و بلند ہمتی کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ جو آپ کرر ہے ہیں اگر سیف اللہ شاہ دو گھنٹے کرے تو چیخ اٹھے اور واقعی حقیقت بھی یہی تھی آپ چوبیس گھنٹے میں دو ڈھائی گھنٹہ آرام کرتے اور بقیہ سارا وقت اپنے شیخ کی خدمت میں صرف کرتے۔اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کا صلہ یہ دیا کہ آپ کو بھی اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ دیا اور بے نظیر محدث، بے بدل عالم، جلیل القدر محقق، بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ درجہ کا مفسر، اونچے درجے کا ادیب وشاعر بنادیا۔

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کا پرتو اور اسلاف کا چلتا پھرتا نمونہ تھے جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا اور ایمان تازہ ہوتا تھا۔

ان کی صورت دیکھ کر آنے لگی یادِ خدا

نورِ رخ ان کا چراغ راہ عرفاں ہو گیا

اور پھر شیخ رحمۃ اللہ کی بے لوث خدمت ہی کا صلہ تھا کہ شیخ کی وفات کے بعد یہ ہونہار شاگرد اپنے شیخ کے لگائے ہوئے باغ کا رکھوالا بنا اور ڈابھیل کے جامعہ اسلامیہ کا شیخ الحدیث وصدر مدرس بننے کا شرف حاصل ہوا۔ نیز جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مجلس علمی نے آپ کو مجلس کا باقاعدہ رکن بنایا اور ۱۹۷۳ء میں اپنی بعض کتب کی طباعت کے سلسلہ میں قاہرہ بھیجا۔ آپ کی زیر نگرانی "نصب الرایہ" اور "فیض الباری" جیسے بلند پایہ علمی وتحقیقی کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں جن کے حسن طباعت کی آج بھی دنیا داد دینے پر مجبور ہے۔ اسی سفر میں مصر، یونان، ترکی اور حجاز مقدس کا سفر کیا اور مفوضہ علمی خدمات کو انجام دیا۔

ڈابھیل میں قیام کے دوران جمعیت العلماء صوبہ گجرات کے بھی صدر بنائے گئے اور بمبئی اوقاف کمیٹی کے بھی ممبر منتخب کئے گئے اور پاکستان آنے تک ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔"

(خصوصی نمبر، ص ۵۴)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ارشاد کی روشنی میں:

استاذی الکریم محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ فرمایا کرتے تھے جو لوگ اساتذہ سے محبت، ان کی خدمت اور ان سے عقیدت رکھتے ہیں، دل و جان سے ان کا اکرام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں فرماتے۔ امام ابوحنیفہؒ کو جو اللہ

تعالیٰ نے عظیم مقام بخشا، ان کی ذہانت، ذاتی فراست کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی خدمت واحترام اور ادب ومحبت کا بھی دخل ہے۔ کہتے ہیں زندگی بھر وہ اپنے استاد حضرت حمادؒ کے گھر کی طرف پاؤں کر کے نہیں سوئے۔

ایک بار یہ بھی ارشاد فرمایا: والدین کی خدمت سے عمر میں برکت ہوتی ہے اور اساتذہ کی خدمت سے علم میں برکت ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان خدمات کے یہ خاصیتی اثرات ہیں جوان پر مرتب ہوتے ہیں۔ چینی کی اپنی لذت ہے، گڑ کا اپنا ذائقہ ہے، مٹھائی کی اپنی چاشنی ہے۔ جو چیز کھائی جائے گی اس کی ذاتی خاصیت کی بنا پر اس کے اثرات وثمرات اور نتائج مرتب ہوں گے تو والدین کی خدمت سے زیادتِ عمر اور اساتذہ کی خدمت سے زیادتِ علم اور خدمتِ علم کے اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں۔" (صحبتے با اہل حق، ص ۲۵۹)

حضرت شیخ بنوریؒ کو بھی اساتذہ کی توجہ، الحاق، خدمت اور توجہات قلبیہ نے مقبولیت اور مرجعیت کا وہ مقام دلایا جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کے افادہ اور افاضہ کے دائرہ کو وسعت ملی۔ ملکی سیاست، دینی مدارس، نصابِ تعلیم، تحریک ملی، فرقِ باطلہ کے تعاقب، تحفظِ ناموسِ رسالت، تحفظِ ناموسِ صحابہ، اسلامی معاشرہ اور عام مسلمانوں کی زندگی پر ان کے وسیع وعمیق اثرات اور ان کی برکات آج بھی آشکارا ہیں.........

نہ جانے کس ادا سے میری جانب اس نے دیکھا تھا
ابھی تک دل میں تاثیر نظر محسوس ہوتی ہے

باب : ۳

تدریس وتحقیق، علوم ومعارف، ابتلاء وآزمائش فقرودرویشی، بے مثال قربانیاں اور تربیت پر توجہ

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی شخصیت بڑی جامع تھی۔ وہ قائدِ تحریک ختم نبوت بھی تھے، ممتاز عالمِ دین بھی، پرجوش خطیب بھی تھے اور خوش بیان واعظ بھی۔ مشاق مصنف وصاحبِ قلم بھی تھے اور ماہر وتجربہ کار معلم ومدرس بھی۔ ان کا عہدِ شباب دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جیسی عظیم درسگاہوں اور وقت کے عظیم اساتذہ وشیوخ کے سایہ عاطفت میں گذرا۔ ان کا زمانہ طالب علمی دارالعلومِ دیوبند کے علمی شباب کا زمانہ ہے۔ شیخ بنوریؒ کی شخصیت کی تشکیل میں دارالعلومِ دیوبند کا ماحول، وہاں کے اساتذہ اور امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا خصوصی فیض شامل رہا۔ دارالعلومِ دیوبند پچھلی صدی سے جاری وساری ایک علمی تحریک ہے۔ اس کے بانیوں کی نظر میں انگریزی ڈپلومیسی اور ہندوستان کی غلامی کے حالات تھے۔ ملتِ اسلامیہ کو

بچانے کے لئے قدرت نے علماءِ دیوبند کی رہنمائی کی۔اب وہ نئے ہتھیار سے مسلح ہوکر میدان میں آئے ۔اس مقصد کی خاطر جواساس اور بنیاد سوچی گئی ، وہ تھا "علم کا میدان" کیونکہ خالقِ ارض وسمانے علم کی بڑی اہمیت بیان کی ہے اور ہر انقلاب علم ہی کا مرہون احسان ہوتا ہے اور آج دارالعلومِ دیوبند کا فیض دنیا کے کونے کونے میں تشنگان علم کو سیراب کررہا ہے اور اس کے فضلاء دنیا کے گوشہ گوشہ میں درس وتدریس اور افتاء و تبلیغ کے فرائض انجام دینے میں مصروف ہیں۔

حضرت شیخ بنوریؒ بھی دارالعلومِ دیوبند کے فیض یافتہ اور علمی ، تدریسی اور مطالعاتی شغف رکھنے والے تھے۔اعلیٰ اساتذہ اور جید مدرسین کی صف میں شمار ہوتے تھے۔کثرتِ معلومات ، وسعتِ نظر، فقہی بصیرت اور محدثانہ جلالتِ قدر کے اعتبار سے ایک علمی خزانے کی مثال رکھتے تھے۔معقول ومنقول پر یکساں عبور حاصل تھا۔اللہ تعالیٰ نے جن مخصوص کمالات سے آپ کو نوازا تھا ان میں سے ایک قوتِ حافظہ کا کمال بھی تھا۔

کمال حافظہ:

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ بیان کرتے ہیں:

" چنانچہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذکاوت اور حافظہ عطا فرمایا تھا اس لئے جو کچھ پڑھتے یاد ہو جاتا تھا۔جب شمسیہ کی شرح قطبی پڑھی تو اس کا دیباچہ ادبیت کے لحاظ سے ممتاز تھا، اسے یاد کرلیا۔غالباً یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اسی زمانہ میں مولانا کے کسی بھائی کا چھوٹی عمر میں انتقال ہوا تو مولانا نے عربی میں مرثیہ لکھا۔مولانا کے علمِ صَرف کے استاذ مولانا حافظ عبداللہ

ساکن لنڈی ارباب تھے جو بعد میں شہید کردیئے گئے، مولانا نے ابن حاجب کی شافیہ بھی پڑھی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تجوید کسی سے نہیں پڑھی لیکن شافیہ کی مدد سے قرأۃ و تجوید میں کافی درک حاصل ہوا۔ چنانچہ ہمیشہ قرائت و تجوید کی بحثوں میں حصہ لیتے تھے اور اس سلسلہ میں بہت ہی صائب رائے رکھتے تھے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ کابل تشریف لے گئے، وہاں قاضی مرافعہ مولانا عبدالقدیر صاحب کا ذکر کرتے تھے کہ ان سے منطق کی کتابیں میرزاہد، ملا جلال اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں۔ کنز ثانی قاضی صاحب سے پڑھی۔ قاضی صاحب ہدایہ اخیرین پڑھاتے تھے اور مولانا صرف سنا (سماع) کرتے تھے لیکن ہدایہ اخیرین پڑھنے والوں سے زیادہ سمجھتے تھے اور اس کے مباحث اب تک یاد ہیں۔ شروطِ دعویٰ کے متعلق مفصل تقریر فرماتے اور کہتے کہ یہ سب مجھے اس زمانہ سے یاد ہیں۔" (خصوصی نمبر، ص ۱۰۹)

حیرت کی بات:

منشی عیسیٰ بھائی ابراہیم (بھروچ) انڈیا والے رقم طراز ہیں:

" ہم چاروں (مفتی مہدی حسنؒ، نور میاں، احقر اور ذات والا بابرکت مولانا بنوریؒ) مرادآباد گئے۔ مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے ہم کو اپنا مہمان بنالیا اور دوپہر کو بہت پر تکلف دعوت دی۔ ہم نے بازار سے مرادآبادی برتن خریدنے کے لئے بازار جانے کو کہا تو انہوں نے انکار فرمایا اور ہر قسم کے برتنوں کے نمونے گھر منگوائے اور تاجر کو بھی گھر بلالیا۔ حضرت والا نے بہت سے برتن خریدے۔ شام کو مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اپنا عربی قصیدہ سنایا جو کافی لمبا تھا۔ غالباً سو کے قریب اشعار تھے ۔ یہ دونوں بزرگ سنتے رہے اور تعریف و توصیف بھی فرماتے رہے ۔ چونکہ ہمیں سویرے دہلی جانا تھا اس لئے رات مسافر خانے میں گذاری ۔ راستے میں تانگہ میں مفتی مہدی حسنؒ اور حضرت شیخ بنوریؒ میں عربی قصیدے کی بات شروع ہوئی ۔ دونوں نے صرف ایک ہی مرتبہ یہ قصیدہ سنا تھا مگر اشعار پڑھتے جاتے اور تعریف کرتے جاتے مگر ایک دو اشعار کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا کہ اس کے بجائے اس طرح ہوتا تو قصیدہ کو چار چاند لگ جاتے وغیرہ ۔ ضعفِ دماغ و حافظہ کے اس دور میں یہ قوتِ حافظہ حیرت کی بات ہے ۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۲۹)

جو افراد علم وفن، ذوق وشوق مطالعہ کی دنیا سے واقف نہیں ہیں ان کے نزدیک علوم وفنون کی دنیا ایک خشک اور بے رونق دنیا ہے جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ علم اپنی آخری حد میں جا کر ایک رومان بن جاتا ہے اور شخصیت اس میں اپنے آپ کو تحلیل کر دیتی ہے ۔ شیخ بنوریؒ کی زندگی میں ہمیں اس کی کئی جھلکیاں محسوس ہوتی ہیں ۔

ایک حوالہ کیلئے مکمل فتح الباری کا مطالعہ:

" جب حضرت بنوریؒ کو ڈابھیل کی مجلس علمی کی جانب سے پیش کش ہوئی چنانچہ آپ نے والد صاحب کی واپسی سے مایوس ہو کر ڈابھیل میں مجلس علمی کی ملازمت اختیار کر لی ۔ اس میں جو کام آپ کے سپرد کیا گیا وہ بے حد کٹھن تھا یعنی "عرف شذی" کے حوالوں کی تخریج اور انہیں مکمل طور پر نقل کرنا ۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک حوالے کے لئے بسا

اوقات مجھے سینکڑوں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا اور اس کی دو مثالیں بیان فرماتے تھے۔

(۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی موقعہ پر متعارض روایات کی تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس قبیل سے ہے کہ "ہر راوی نے وہ بات ذکر کردی جو دوسرے نے ذکر نہیں کی" اس کے بعد یہ فرمایا کہ "یہ بڑا اہم قاعدہ ہے مگر افسوس کہ مصطلح الحدیث کے مدوّنین نے اسے ذکر نہیں کیا البتہ حافظؒ نے فتح الباری میں کئی جگہ اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے"

مولانا فرماتے تھے کہ میں نے ان مقامات کو تلاش کرنے کے لئے پوری فتح الباری کا مطالعہ کیا۔ تب معلوم ہوا کہ حافظؒ نے پوری کتاب میں دس سے زیادہ جگہوں پر اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے۔

ایک حوالہ کی تحقیق نے معارف السنن کا مصالحہ تیار کردیا:

(۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے اختلافِ صحابہؓ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: "ابو زید دبوسی نے بالکل صحیح فرمایا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہو تو وہاں منشائے اختلاف کا معلوم کرنا اور اس نزاع کا فیصلہ چکانا بڑا دشوار ہے۔"

مولانا فرماتے تھے کہ اس حوالے کی تلاش کے لئے میں نے دبوسی کی کتاب " تاسیس النظر " پوری پڑھی مگر یہ حوالہ وہاں نہیں ملا، خیال آیا کہ یہ حوالہ دبوسی کی دو کتابوں "اسرار الخلاف" یا "تقویم الاولیٰ" میں ہوگا مگر وہ دونوں غیر مطبوعہ تھیں اور میرے پاس موجود نہیں تھیں۔ پھر

خیال آیا کہ یہ حوالہ بالواسطہ ہوگا یا شیخ عبدالعزیز بخاری کی کتاب "کشف الاسراء" کے حوالے سے ہوگا یا ابن امیر حاج کی شرح التحریر کے واسطے سے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں کا بہت سا حصہ مطالعہ کرنے کے بعد دونوں میں یہ حوالہ مل گیا۔

اس سے زیادہ کیا کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا کو اس تخریج میں کتابوں کی کس قدر ورق گردانی کرنا پڑی اور اس کے لئے اپنی کتنی صلاحیتیں وقف کرنا پڑیں۔ اس طرح "عرف شذی" کی تخریج وتحقیق میں "معارف السنن" کا مصالحہ تیار ہوگیا اور اسی تخریج کو آپ نے جدید طرز پر مدون کر کے "معارف السنن" تالیف فرمائی۔" (خصوصی نمبر، ص۳۲)

اپنے محبوب استاذ کے ساتھ رختِ سفر باندھا:

حضرت شیخ بنوریؒ جب دیوبند آئے تو اس وقت یہ گلستانِ علم امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے نغموں سے گونج رہا تھا۔ دیوبند کے قدیم اساتذہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کی صلاحیتوں پر گہری نظر رکھتے تھے اور جسے جوہر قابل سمجھتے تھے اسے چمکانے اور جگمگانے کی کوشش کرتے تھے۔ علامہ کشمیریؒ کی نگاہِ انتخاب نے جلد ہی حضرت بنوریؒ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ حضرت شیخ بنوریؒ کو حضرت شاہ صاحبؒ سے بے انتہا عقیدت تھی۔ پہلے آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عربی میں طویل خط لکھا کہ مجھے اپنی خدمت کے لئے قبول کر لیجئے۔ بعد میں جب حضرت بنوریؒ، شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بالمشافہ ملاقات کی تو شاہ صاحبؒ نے سب سے پہلا سوال کیا کہ ادب کہاں پڑھا ہے؟ آپ نے عرض کیا کہیں نہیں تو حضرت شاہ

صاحبؒ نے فرمایا: بس آپ کو حاجت نہیں، اتنا کافی ہے، میں آپ کو اپنے ساتھ رکھ لوں گا۔ جب دیوبند میں دارالعلوم کے انتظامی امور پر کشمکش ہوئی اور حضرت شاہ صاحبؒ نے دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل جانے کا فیصلہ کرلیا تو شیخ بنوریؒ نے بھی اپنے محبوب استاد کے ساتھ رختِ سفر باندھا۔ ڈابھیل میں حضرت بنوریؒ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہونے کا بڑا موقع ملا۔ جب تعلیم سے فارغ ہوکر حضرت شیخ بنوریؒ وطن واپس آئے تو تدریس ہی میں اپنی فطری تسکین کا راستہ نظر آیا۔ سب سے پہلے اپنی تدریس کا آغاز پشاور سے کیا۔ مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں لیکن علم تفسیر اور علم حدیث سے آپ کو گہرا شغف تھا۔ آپ صحیح معنوں میں شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث تھے۔ اس کے بعد پھر ڈابھیل تشریف لے گئے، وہاں حدیث شریف کی کتابیں زیرِ درس رہیں۔ پھر جب پاکستان واپس تشریف لائے تو ٹنڈو الله یار میں تدریس شروع کی۔ یہاں تین برس تک شیخ التفسیر کے منصب پر فائز رہے۔ پھر بعض وجوہات کی بنیاد پر وہاں سے مستعفی ہوکر کراچی میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی تو اوائل کار میں انتہائی کسمپرسی کا عالم اور افتاں وخیزاں کے مناظر تھے۔

صبر و استقامت کا امتحان:

مولانا لطف اللہ پشاوریؒ جو کہ آپ کے پہلے رفیق تھے۔ وہ اس وقت کی تنگی اور عسرت کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" جب مدرسہ کی ابتدا ہوئی تو جس عمارت میں ہماری رہائش تھی یہ عمارت کراچی سے بہت دور تھی اور تنخواہ کی تو خیر ہم کو ابتداء سے توقع نہ تھی لیکن سب سے بڑی مشکل طلبہ کے لئے خورد و نوش اور ضروریاتِ زندگی کا سامان مہیا کرنا

تھا کیونکہ ویرانہ کراچی سے خاصی دور تھا۔ وہاں کا پانی بڑا کڑوا تھا، پینے کا پانی جو کراچی سے لانا پڑتا تھا، اس عمارت کے گردو پیش غلاظت کے ڈھیر تھے جہاں مکھیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ہم لوگ درخت کے نیچے درس دیتے تھے اور اس درخت پر سے ایک قسم کے کیڑے گرتے رہتے تھے، مجھے یاد ہے کہ مولانا مرحوم ایک ہاتھ سے ان کیڑوں کو کتاب یعنی بخاری شریف سے ہٹاتے رہتے اور دوسرے ہاتھ سے بخاری شریف کے ورق الٹتے تھے۔ یہ زمانہ مولانا کے صبر واستقامت کے امتحان کا تھا۔ ان دنوں مولانا مرحوم سراپا بے کسی و بے چارگی کا مجسمہ تھے۔ انہوں نے ان حالات کا بڑی جانکاہی اور پامردی سے مقابلہ کیا۔" (خصوصی نمبر، ص۴۰)

صبر آزما اور حوصلہ شکن بے سروسامانی:

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ اس دور کی منظر کشی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" حضرت مولانا رحمہ اللہ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنے ایک رفیق غربت یا یارِ غار استاذ محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب مدظلہ العالی اور درجہ تکمیل کے دس ستم دیدہ، اذیت کشیدہ طلبا کے ساتھ جامع مسجد نیوٹاؤن میں منتقل ہو گئے اور اس وقت مسجد کے احاطہ میں صرف ٹین کی چھت کا ایک حجرہ تھا۔ اسی حجرہ میں حضرت رحمہ اللہ اور استاذ محترم حضرت مولانا لطف اللہ صاحب نے اپنا مختصر سا سامان رکھ دیا اور رات کو سونے کے لئے اپنے ایک دیرینہ دوست حاجی محمد یعقوب صاحب (جو انتہا درجہ صالح ، دیندار اور

حضرت رحمہ اللہ کے قدر شناس دوست تھے) کی کوٹھی پر جو مدرسہ سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر تھی، چلے جاتے تھے اور طلبہ مسجد میں ہی دن کو پڑھتے اور مسجد میں ہی رات کو سوتے اور اپنا سامان خورد ونوش اور ضروری سامان بھی مسجد میں ہی رکھتے۔ مسجد اس وقت قطعاً غیر محفوظ اور ہر طرف سے کھلی ہوئی تھی۔ طلباء کے سامان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وقتاً فوقتاً سامان چوری ہوتا۔ اسی ضرورت کے تحت موجودہ حجرہ کی پختہ چھت اور اس کے ساتھ ہی طلبہ کے لئے دوسرے حجرے کی تعمیر کے لئے خود حضرتؒ اپنے دوستوں سے تین سو روپے لائے اور منتظمین کو دیئے اور اس طرح دوسرا حجرہ بنا۔ سب سے بڑی مصیبت جو سوہان روح بنی ہوئی تھی، وہ یہ تھی کہ مسجد کا کوئی غسل خانہ نہ تھا، نہ بیت الخلاء اور نہ ہی پیشاب کرنے کے لئے کوئی محفوظ پیشاب خانہ تھا۔ صرف عارضی طور پر وضو کے لئے ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں اور بس۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دن میں پیشاب یا رفع حاجت کے لئے ہر دو بزرگوں کو حاجی محمد یعقوب صاحب کے گھر پر جانا پڑتا تھا جو کافی دور تھا۔" (خصوصی نمبر، ص ۲۱۷)

فقر و درویشی کی شادی:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ لکھتے ہیں:

" مولانا کی زندگی کا یہ دور بڑی آزمائش اور ابتلاء کا تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور جب والد صاحب کو خط لکھتے تو جواب آتا کہ بس عنقریب میں آنے والا ہوں اور تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔ آپ کے چچا کی لڑکی جس کے ساتھ آپ کی نسبت ہو چکی تھی، اس کی اراضی بھی سید زکریا نے

فروخت کردی تھیں۔ جب مولانا کے والد ماجد کی کابل سے واپسی میں غیر معین تاخیر ہوگئی تو مولانا عبدالحق نافع کے مشورے سے طے پایا کہ مولانا کا نکاح اب بہر صورت ہو جانا چاہیئے۔ وہ عجیب و غریب رات مجھے نہیں بھولتی جب مولانا کی بیٹھک میں مولانا کا نکاح پڑھایا۔ مولانا خود دولہا تھے اور خود ہی دوسری طرف سے وکیل تھے۔ خود ہی نکاح خواں تھے۔ میں اور مولانا عبدالحق نافع گواہ تھے۔ شادی کے لئے اور اہتمام تو کیا ہوتا کوئی جوڑا بھی نہیں بنایا گیا، نہ دولہا کے لئے، نہ دلہن کے لئے، بس بدن کے پہنے ہوئے کپڑے ہی جامۂ عروسی تھا۔ گھر میں دو سیر چاول تھے وہ پکائے کھائے گئے۔ یہ مولانا کا ولیمہ تھا۔ گھر میں ایک چارپائی سالم تھی اور ایک ٹوٹی ہوئی۔ سوائے ہم دونوں کے کسی کو شادی کا پتہ نہ چلا۔ یہ تھا مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی شادی کا نقشہ جن کی رحلت پر پورے عالم اسلام نے ماتم کیا۔"

(خصوصی نمبر، ص ۲۷)

جب محدث العصر حضرت شیخ بنوریؒ ٹنڈو اللہ یار سے کراچی تشریف لائے اور مسجد نیوٹاؤن کے احاطہ میں ایک مستقل دینی مدرسہ قائم کیا تو یہاں ابتداء انتہائی شدید ابتلا پیش آئے جس کا مختصر تذکرہ گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے۔ آپ کراچی میں تھے اور اہل و عیال ٹنڈو اللہ یار میں۔ کراچی میں اپنے سر چھپانے کی کوئی معقول جگہ نہ تھی چہ جائیکہ اہل و عیال کے لئے مکان ڈھونڈ تے۔ اہل و عیال کے لئے تو مکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت بنوریؒ مہینہ میں ایک دو بار گھر کا چکر لگاتے تو گاڑی پکڑنے کے لئے بعض اوقات گھنٹوں انتظار کی جاں گسل تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا۔

جب کراچی میں گھر میسر نہ تھا:

" ایک دفعہ کراچی سے حیدر آباد جانے والی گاڑی لیٹ ہوگئی اور حیدر آباد کافی تاخیر سے پہنچی جس کی وجہ سے حیدر آباد سے ٹنڈو الله یار جانے والی گاڑی نکل گئی۔ اب دوسری گاڑی کے لئے رات کے ایک بجے تک انتظار کرنا پڑا۔ سردی کا موسم تھا، بارش ہو رہی تھی، ٹنڈو الله یار دو بجے کے بعد پہنچتے ہیں، اسٹیشن پر کوئی سواری بھی موجود نہیں ہے اور بارش کی وجہ سے بجلی بھی فیل ہو چکی ہے۔ سخت اندھیرا پھیلا ہوا ہے اور کم از کم ایک من وزن ساتھ ہے اور گھر اسٹیشن سے کئی فرلانگ دور ہے اور سامان اٹھانے کے لئے قلی بھی نہیں۔ اسی حالت میں حضرتؒ سامان سر پر اٹھا کر بارش، سردی اور اندھیرے میں گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس رات کے شدائد نے ہمت توڑ دی اور الله جل شانہ سے فریاد کی کہ اے الله! اب میرے اندر مزید سختیاں برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی، اب تو اپنی قدرتِ کاملہ سے کراچی میں مکان کا انتظام فرما دے۔

فرمایا کہ اس کے بعد جب کراچی واپسی ہوئی تو دیکھا کہ انجمن جامع مسجد کے منتظمین کو اب خود ہی حضرتؒ کی تکالیف کا شدت کے ساتھ احساس ہو رہا ہے کہ مولانا کے لئے فوراً مکان بننا چاہیئے۔ یہ الله جل مجدہ کی جانب سے غیبی نصرت تھی۔ چنانچہ فرمایا کہ اس رات کے بعد صرف ایک مرتبہ ٹنڈو الله یار جانا ہوا اور وہ بھی گھر والوں کو اطلاع دینے کے لئے کہ کراچی چلنے کی تیاری کریں، دوسری مرتبہ تو ان کو لینے ہی کے لئے جانا ہوا۔" (خصوصی نمبر، ص ۲۱۹)

لختِ جگر فاطمہ کی قربانی:

" اس ابتلائی دور میں اہل و عیال کا بغیر کسی ظاہری سہارے کے تنہا ٹنڈو اللہ یار میں رہنا ہی حضرت کے لئے کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا، ابتلاء پر ابتلاء یہ پیش آیا کہ وہاں کے کمینہ خصلت، کینہ پرور اور کم ظرف افراد نے حضرتؒ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل خانہ کو طرح طرح سے پریشان کیا حتیٰ کہ گھر میں سبزی، ترکاری وغیرہ پہنچانا بھی مشکل بنا دیا۔

اسی عالم میں حضرتؒ کی صاحبزادی مرحومہ فاطمہ کی آنکھوں میں کوئی شدید تکلیف پیدا ہوئی اور حضرتؒ کراچی میں مدرسہ کے کاموں میں مصروف اور مشکلات میں سرگرداں، ادھر مرحومہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس ٹنڈو اللہ یار میں محبوس، نہ کوئی تیمار دار اور نہ کوئی دوا نہ علاج کرنے والا موجود۔ ایسی حالت میں ہسپتال لے جا کر مرض کی تشخیص کرانے کی طرف توجہ کون کرسکتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ آنکھوں کی بینائی بالکل جاتی رہی۔ جب اہل خانہ کراچی منتقل ہوئے اور ماہرین چشم سے معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ بینائی بالکل جاتی رہی ہے اور علاج کے مرحلہ سے گذر چکی ہے، اب ٹھیک ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔ حضرت بنوریؒ کو اس کی دین داری، صلاح و تقویٰ اور معذوری و بے چارگی کی وجہ سے بہت محبت تھی۔ رو رو کر فرمایا کرتے کہ اس دینی مدرسہ کے لئے ہم نے اپنی عزیزہ لختِ جگر کو بھی قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری قربانی قبول فرمائے۔" (خصوصی نمبر، ص ۲۲۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ بنوریؒ کو علم و فضل کے ساتھ ساتھ صبر و استقامت کی

تدریس وتحقیق، علوم ومعارف نعمتوں سے بھی نوازا تھا اس لئے انہوں نے راستے کی مشکلات کی پروا کئے بغیر اپنی تمام صلاحیتیں مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے جہاں ان کی استقامت، حوصلہ اور ثباتِ فکر و نظر کے لئے بڑی بڑی آزمائشیں درپیش تھیں مگر ان کے کردار میں کوئی تزلزل راہ نہ پا سکا۔

تمام مساعی کا ہدف:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے تھے کہ مجھے صرف "الصادقہ" اور "الوھط" کی وجہ سے زندہ رہنے کی آرزو اور تمنا ہے۔ "الصادقہ" احادیثِ نبویہ کا مجموعہ تھا اور "الوھط" صدقہ کی زمین تھی۔ گویا دوسرے لفظوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی زندگی کی معراج اور زندہ رہنے کی رغبت کی بنیادی وجہ اشاعتِ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انفاق فی سبیل اللہ تھی۔

حضرت شیخ بنوریؒ کا مقصدِ حیات بھی احادیث اور تفسیر کے علوم سے محبت اور عقیدت سے عبارت تھا۔ چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک حضرت شیخ بنوریؒ بخاری شریف پڑھاتے رہے اور بخاری شریف کی متناً وسنداً، درایۃً و روایۃً، ذوقاً و وجداناً جامع ترین تشریح وتوضیح شوق وذوق سے فرماتے تھے۔

بخاری، انفاس قدسیہ سے معمور ہے:

مولانا محمد یوسف طلال نے ایک دفعہ حضرت شیخ بنوریؒ سے عرض کیا: میرے خیال میں بخاری کی کتاب آپ کے لئے فرحت افزا ہے، تو انہوں نے فرمایا: ہاں! ہاں! میرے لئے بخاری شریف فرحت افزا ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے: میں اس لئے بخاری پڑھاتا ہوں کہ اس میں نہ صرف اوراق ہیں بلکہ اس میں دین ہے

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ میں ہدایت و اصلاح کا پورا سامان ہے۔

اندازِ تدریس:

معروف معاشی سکالر حضرت مولانا محمد طاسین مرحوم رقم طراز ہیں:

" تدریس میں مولانا بنوریؒ کا جو طریقہ تھا وہ بڑی حد تک اپنے محبوب استاذ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے طریقۂ تدریس سے ملتا جلتا بلکہ اس سے ماخوذ تھا۔ وہ یہ کہ زیر درس مسئلہ کے متعلق صرف ان باتوں کے بیان پر اکتفا کرتے جو کتاب، اس کے حواشی اور مطبوعہ شروح میں لکھی ہوتیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی نادر معلومات بھی پیش فرماتے جو اس علم وفن کی دوسری کتابوں میں مذکور ہوتیں اور جن سے زیر بحث مسئلہ کے کچھ دوسرے پہلوؤں پر روشنی پڑتی۔ نیز طلباء کو یہ بھی بتلاتے کہ اس مسئلہ پر کس نے کس کتاب میں زیادہ بہتر طور پر لکھا ہے تاکہ طلباء اس غلط فہمی میں مبتلاء نہ رہیں کہ انہوں نے جو پڑھا ہے وہی سب کچھ ہے، اب مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں اور تاکہ وہ آئندہ مزید پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی کوشش کریں اور ان کے علم میں وسعت اور گہرائی پیدا ہو، بالفاظ دیگر تدریس کا وہ طریقہ یہ تھا کہ زیر درس مسئلہ کے سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۱۵)

علوم ومعارف کا بحرِ ذخار:

اس سلسلہ میں مولانا مصباح اللہ شاہ کے مشاہدات و تاثرات ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

" حضرت بنوریؒ کے درس حدیث میں طلبہ بڑے ذوق وشوق سے حاضر ہوتے۔ حضرتؒ کے درس حدیث کی مجلس ہمیشہ باوقار و بارعب ہوتی اور جمال وجلال کا ایسا حسین وجمیل امتزاج ہوتا کہ "ان من البیان لسحراً" کا منظر سامنے ہوتا اور طلبہ ایسے مسرور ومسحور ہوتے کہ "کان علٰی رؤسھم الطیر" کا نمونہ بن جاتے، خود میری اپنی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ گھنٹہ کے ختم ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ بیان وتقریر میں ایسی لذت محسوس ہوتی کہ اسے ضبطِ تحریر میں لانا مشکل ہے بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ حضرتؒ کے درسگاہ میں تشریف لانے سے قبل طبیعت سستی وکاہلی محسوس کرتی اور آرام کرنے کو جی چاہتا لیکن جونہی حضرت درسگاہ میں تشریف فرما ہوئے سبق شروع ہوجاتا اور حضرتؒ تقریر شروع کرتے تو سستی وکاہلی بالکل ختم ہوجاتی اور طبیعت میں عجیب قسم کی فرحت وانبساط کی کیفیت پیدا ہوجاتی اور ایسا نشاط حاصل ہوتا گویا کہ بالکل تازہ دم ہیں، حتیٰ کہ بعض وہ طالبِ علم جو کسی دوسرے سبق میں سستی دکھاتے اور غیر حاضری کا مظاہرہ بھی کرتے، حضرتؒ کے درس میں وہ بھی بڑے اہتمام سے حاضر ہوتے اور اول سے آخر تک حاضر حواس ہوکر تقریر سے مستفید ہونے کی سعی بلیغ کرتے۔ پورے سال میں مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی حضرتؒ کی تشریف آوری کے بعد درسگاہ میں پہنچا ہوں گا، ہمیشہ درسگاہ میں پہلے ہی پہنچ جاتا تھا۔ یہی حال باقی طلبہ کا بھی ہوتا تھا اور یہ سب کچھ حضرتؒ کی مقناطیسی شخصیت اور توجہ وشفقت کی وجہ سے تھا۔ حضرتؒ کے درس کے متعلق اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو بس یہ کہ دوران درس

ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ ایک بحرِ ذخار موجزن ہے اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بہہ رہا ہے اور سامعین اپنی اپنی پسند وظرف کے مطابق مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی علمی تشنگی اور پیاس بجھاتے اور سیرابی حاصل کرتے ہیں اور علوم ومعارف کے موتیوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے میں مشغول ہیں۔"

(خصوصی نمبر، ص ۵۲۸)

تربیت پر توجہ:

حضرت شیخ بنوریؒ اپنے اکابر اور مشائخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے طلبہ کی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ وہ اپنے درس میں بھی اور درس کے باہر بھی طلبہ کی اخلاقی تربیت کا فریضہ اپنے دیگر فرائض کی طرح انجام دیتے تھے کیونکہ دینی مدارس انسانیت کی تعلیم وتربیت کے ورکشاپ ہیں۔ ان ورکشاپوں میں انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضاء کے صحیح استعمال کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اساتذہ کرام جس طرح کتاب پڑھانے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اس طرح طلبہ کی صحیح تربیت کی طرف بھی ان کو توجہ کرنا ضروری ہے۔ درس میں اخلاقی وعملی حالت سنوارنے کے بارے میں اساتذہ کو کبھی کبھی بیان کرنا چاہیئے۔ فرمایا کرتے اصل چیز اعمال واخلاق ہیں اس کے بغیر علم بے کار ہے۔

شیخ بنوریؒ خود نماز کے لئے طلبہ کو اٹھاتے:

" حضرت شیخ بنوریؒ کو آخری عمر میں گھٹنوں کے درد کی تکلیف رہتی تھی۔ جب تک یہ تکلیف نہ تھی اور سیڑھیوں پر چڑھنے میں دقت نہ ہوتی تھی تو اکثر و بیشتر خود کمروں میں جا کر طلبہ کو اٹھاتے تھے اور اذان کے بعد جس کو سوتا ہوا

پاتے تو سخت غصہ ہوتے اور ایسے طالب علموں کو سخت تنبیہ فرماتے۔ فرماتے تھے کہ جب صبح نماز کے لئے گھر سے نکلتا ہوں اور وضوخانے اور مسجد میں طلبہ کو زیادہ تعداد میں دیکھتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے، لیکن اگر کبھی اس کے برعکس دیکھتا ہوں تو سخت افسوس ہوتا ہے اور انا للّٰہ و انا الیه راجعون پڑھتا ہوں اور معذوری کے باوجود جی چاہتا ہے کہ کمروں میں جا کر سستی کرنے والوں کو خوب سزا دوں۔" (خصوصی نمبر، ص۲۳۳)

طلبہ میں خدمتِ دین کا جذبہ:

حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت ہمیشہ طلبہ کو اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے کی تلقین فرماتے رہتے، اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے، باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کراتے، مقصرین کو تنبیہ فرماتے اور سخت گرفت کرتے بلکہ کئی دفعہ فرمایا کہ: " میرے نزدیک غبی صالح افضل ہے ذکی فاسق سے"۔ اس کے ساتھ طلبہ میں خدمتِ دین کا جذبہ پیدا کرتے، فخر ومباہات اور سمعہ و ریاء سے نفرت دلاتے۔ ابن ماجہ کی حدیث شریف "من تعلم علماً مما یبتغی به وجه اللّٰہ لا یتعلمه الا لیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة "پڑھ کر طلبہ کو سناتے اور ریاکاری سے ڈراتے، طلبہ میں خدمتِ دین کا عملی جذبہ پیدا فرماتے اور یہ سمجھاتے کہ علم بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود رضائے الٰہی، نصرتِ دین حق اور خدمتِ دین اسلام ہے۔ اور علم بغیر عمل کے بے کار، غیر مفید بلکہ بسا اوقات ضرر رساں ہوتا

ہے۔حبِ جاہ، حبِ مال بہت برے امراض ہیں، خصوصاً علمائے کرام کے لئے زہر قاتل، وبالِ جان اور ضیاعِ آخرت ہیں۔طبقۂ علماء میں سے جولوگ اس برے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان سے دین کو زیادہ خطرہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان امراض سے سب کو محفوظ و مامون رکھے اور علماءِ سُوء کی غلط کاریوں سے دین اسلام کو بچائے۔"

(خصوصی نمبر،ص ۵۳۱)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد:

ایک دفعہ استاذی الکریم محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے دینی مدارس کی ترقی اور نظام تعلیم وتربیت کے حوالے سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے ایک سوال نامہ کے جواب میں فرمایا:

" طلبہ اور اساتذہ کی اخلاقی اصلاح اور کردار کی تربیت کی طرف توجہ نہایت ضروری ہے۔مدارس میں اساتذہ ایسے ہوں جو اسلامی کردار کا بہترین نمونہ ہوں۔اخلاقی کمالات سے بھرپور ہوں اور ظاہر و باطن میں شریعت اور علومِ شریعت کے فدائی ہوں۔صوم وصلوٰۃ اور اخلاق حسنہ سے متصف ہوں، مطالعہ اور علمی ذوق وتحقیق ان کا اوڑھنا بچھونا ہو۔اساتذہ ومنتظمین کے اخلاص وللّٰہیت اور بلند کردار و بااخلاق ہونے کا مدارس کے مردم خیز ہونے میں بنیادی حصہ ہے۔اس کے علاوہ حصول علم کی راہ میں فنائیت، تواضع، مسکنت اور انکساری، سادگی، قناعت، زہد وتوکل کی زندگی اور علوم وفنون کے، ادب واحترام کا ہمہ وقت لحاظ ضروری ہے۔" (صحبتے با اہل حق، ص ۸۷۲)

حضرت شیخ بنوریؒ نصف صدی تک تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ طالبان علومِ نبوت کی تربیت کرتے رہے اور ہزارہا طلبہ کو مستفید اور فیض یاب فرمایا۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں حضرت شیخ بنوریؒ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ علماء موجود ہیں۔ ان میں مشہور اساتذہ اور مدرسین بھی ہیں اور مصنفین و مؤلفین بھی، داعی و مبلغ بھی ہیں اور امام و خطیب بھی۔ خود حضرت شیخ بنوریؒ ہمہ تن علم کے لئے وقف اور علم میں فنا تھے۔ انہوں نے ہمیشہ علم دین سے اشتغال رکھا۔ درس و تدریس میں اپنی صلاحیتیں کھپا دیں۔ وعظ و ارشاد، تصنیف و تالیف، تعلیم و تدریس ان کی مساعی کا اولین ہدف رہا۔

نہ خوشی یاد رہی مجھ کو نہ غم یاد رہا
ہاں تیرا سلسلۂ حسنِ کرم یاد رہا

باب : ۴

ذوقِ شعروادب اور وسعتِ مطالعہ

جزیرۂ عرب میں جب اسلام کی صبح درخشاں طلوع ہوئی تو کفار ومشرکین کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ ان کے آبائی دین کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ منصب واقتدار پر ضرب پڑ رہی تھی اور صدیوں کا خودساختہ قصرِ عظمت زمین بوس ہو رہا تھا۔ قرآن مجید پورے انسانی معاشرہ پر اپنے انوار کی تجلیاں بکھیر رہا تھا، شرو فساد کا قلع قمع کر کے خیر وفلاح کا بیج انسانی ذہنوں میں بو رہا تھا۔ گویا زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہ تھا جو قرآن کے فیضان سے خالی ہو۔ نزولِ قرآن کے بعد جب مشرکینِ مکہ کی قوتِ بیان اور فصاحت وبلاغت عاجز ہو کر رہ گئی اور وہ دینی وثقافتی رسوم وروایات کو مخدوش و پرخطر پانے لگے تو قرآن کریم کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ تو محض شاعری ہے۔ قرآن مجید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان واضح کرنے کے لئے فرمایا: ﴿و ما علمناه الشعر و ما ينبغي له﴾ (ہم نے ان کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے) یہ دراصل کفار ومشرکین کے جاہلانہ فکر ونظر پر گہری چوٹ تھی۔ قرآن کریم اور احادیث میں جہاں شاعری کو پرمذمت فعل قرار دیا گیا ہے وہاں

جاہلیت کی شاعری مراد ہے یا وہ شاعری جو زمانہ جاہلیت کے احساسات و جذبات سے متاثر ہو کر کی گئی ہو۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شعر ایک مربوط کلام ہے پس اس میں جو حق کے موافق ہو وہ حسن ہے اور جو حق کے موافق نہ ہو وہ قبیح ہے، اس میں کوئی خیر نہیں۔ خود محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجدؔ میں منبر رکھتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور تعریف میں اشعار پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ کے علاوہ بھی کئی اور بھی حضرات تھے جو دعوتِ اسلامی کے شجرہ طیبہ کو اپنے خون جگر سے سینچ رہے تھے۔ وہ جان و مال اور زبان و بیان کی قوت سے کفار و مشرکین کا مقابلہ کرنے میں پیش پیش تھے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خالص اسلامی شاعری کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور جس شاعری میں جاہلیت کے گھناؤنے جذبات کی آمیزش ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم برملا نفرت کا اظہار فرماتے اور روئے تاباں پر کراہت اور ناگواری کے آثار نمایاں ہو جاتے۔

فرمودات اور تعامل نبوی کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مطلق شعر گوئی نہ قابلِ مذمت ہے، نہ قابلِ مدح بلکہ وہ شاعری مذموم اور ملعون ہے جس کے اندر جہالت و رذالت کی بو آتی ہو اور جو نفسانی خواہشات کی تکمیل میں کی گئی ہو اور اگر شاعرانہ کلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا سکہ دلوں پر بٹھایا جا رہا ہو اور خوف و رجا کی مہریں ذہنوں پر ثبت کی جا رہی ہوں، دین کے تقاضوں سے واقف کرایا جا رہا ہو اور دشمنانِ دین کے ناپاک عزائم کا جواب دیا جا رہا ہو تو یہ شاعری نہ صرف محمود ہے بلکہ تبلیغ اسلام اور دعوتِ دین ہونے کی حیثیت سے ایک اہم ترین فریضہ حق کی ادائیگی ہے جس کی بنا پر ابدی اور سرمدی کامیابی کی ضمانت ملتی

ہے۔مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں مولانا حسرت موہانی مرحوم نے شاعری کی تین قسمیں ذکر کی ہیں۔عارفانہ، عاشقانہ اور فاسقانہ۔

شعروادب کا ذوقِ سلیم:

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ جو دینی، فقہی اور علمی وعملی ہر میدان میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے صحیح جانشین تھے۔ایک عظیم محدث، عظیم فقیہ، داعی ومبلغ، کامیاب مدرس، امام وخطیب اور صاحبِ فراست سیاستدان تو تھے ہی، ساتھ ساتھ بڑے پاکیزہ اور صاف ستھرے شعری مذاق کے مالک بھی تھے، کیونکہ..............

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ وساغر کہے بغیر

اپنے اکابر اساتذہ سے بارہا یہ سنا تھا اور ان کی یہ رائے اپنے دل ودماغ میں پتھر کی لکیر بن چکی ہے کہ شعروادب کا ذوقِ سلیم اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ اور ناقابل تسخیر ہتھیار ہے جس سے معاشرہ میں ایک انقلاب لایا جاسکتا ہے۔

ادبی ذوق:

حضرت شیخ بنوریؒ کو بھی ادبی ذوق اور سخن فہمی میں اعلیٰ درجے کا کمال حاصل تھا۔اردو، فارسی اور عربی کے بلند پایہ شعراء کا کلام خوب یاد تھا۔ایسے برجستہ اور برموقع اشعار سناتے کہ سننے والا محسوس کرتا کہ یہ اس موقع کے لئے کہے گئے تھے۔خود بھی اشعار کہتے تھے جس میں آبشار کی سی روانی ہوتی تھی۔آپ کے عربی اشعار اپنی زبان و بیان، اپنے تیور اور اپنے انداز میں کسی بھی عربی شاعر کے اشعار کے مقابلہ میں رکھے

طویل طویل عربی قصائد آپ بلا تکلف اور ارتجالاً کہہ سکتے تھے۔ جا سکتے ہیں۔

پسندیدہ اشعار:

حضرت مولانا سید حامد میاں فرماتے ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ کا ذوقِ ادب اعلیٰ تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ دیوبند میں مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی (کشمیری) اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا عربی اشعار و قصائد میں مقابلہ رہا کرتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ ان میں کون غالب رہتا تھا تو فرمایا کہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اشعار ان سے بہتر ہوتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رقم طراز ہیں:

خیر المدارس ملتان میں وفاق المدارس العربیہ کے ابتدائی سالوں میں ایک دفعہ علماء سے خطاب فرما رہے تھے کہ درمیان میں مجھے خطاب فرمایا۔ میں متوجہ تو تھا مگر یہ خیال نہ تھا کہ مجھ سے کیوں خطاب فرما رہے ہیں۔ میں نے قدرے دائیں بائیں دیکھا کہ شاید اس نام کے کوئی اور صاحب ہوں۔ اس پر مجھے دوبارہ مخاطب کیا اور عربی کا ایک شعر سنایا۔ اس کے بعد ایک نشست میں فرمایا کہ فلاں رسالے میں تمہارے شعر مامون دمشقی کے اشعار سے اچھے تھے۔ پھر اپنے قصائد میں سے منتخب اشعار سنائے۔

میں شاعر نہیں ہوں، کبھی کبھار کوئی شعر بن جائے تو یہ شاعری نہیں۔ میں مولانا المرحوم کے حسنِ التفات و انبساط کو قائم رکھنے کے لئے استاذِ محترم مولانا عبدالحق صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے منتخب اشعار سناتا رہا، اس کے

علاوہ اور بھی مختلف اشعار سناتا رہا۔ ان میں یزید کی طرف منسوب اشعار بھی سنائے جن میں سے اس وقت یہ یاد ہیں:

اغار على اعطافها من ثيابها اذا لبستها فوق جسم منعم

و احرر كاسات تقبل ثغرها اذا وضعتها موضع اللثم فى الفم

الى ان قال :

لها علم لقمان و صورة يوسف و نغمه داؤد وعفة مريم

ولى حزن يعقوب و وحشه يونس و بلوة ايوب و حسره آدم

ان اشعار کی شعریت سے بہت محظوظ ہوئے۔ مکرر بھی سنا اور اسمائے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے استعمال پر شاعر کو برا بھلا بھی کہا۔"

(خصوصی نمبر، ص ٦٣٣)

بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض داشت:

استاذِ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ رقم طراز ہیں:

" قیامِ مدینہ کے دوران شیخ بنوریؒ نے ایک دن روضة من رياض الجنة میں منبر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک طویل قصیدہ "مناجاة بين يدى الحبيب الاعظم " کے عنوان سے قلم بند کیا اور خود اسے مواجہہ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش فرمایا جن میں مذکورہ کیفیات کا اظہار موجود ہے۔ اس قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

يا سيدى يا حبيب الله جئت الىٰ اعتاب بابك اشكو البرح من سقم

يا سيدى قد تمادى السقم لى جسدى من شدة السقم لم اغفل و لم انم

الاھل حولی غرقی رقادھم انا الوحید جفاه النوم من الم
قد عشت دھراً مدیداً کله عمل والیوم لا شیئ غیر القول والقلم
یا سیدی طال شوقی للجھاد فھل تدعوا الی اللّٰہ عونا عالی العلم
تاللّٰہ مالھفتی البرء عن رغب فی ذی الحیاة ولا جاه و لانعم
و انما طمع فی ان تقول غداً لقد ھدیتم الی الاسلام کل ھم
ھیھات ان تنطوی للدین رأیته او یھزم الکفر دیناً غیر منھزم
فاکرم الناس من کانت منیته فی حومة الحق جلداً غیر منھزم
و اھون الناس من جاءت منیته خلواً من الھم او خلوا من الھم
اشکوا الی اللّٰہ شکوی غیر ذی جزع فی شدة الضر وجھی وجه مبتسم
مافی قضائک ظلم للعباد ولا فیه الاساءة بل محض من الحکم

(خصوصی نمبر، ص۶۸۳)

دیوان متنبّی:

حضرت شیخ بنوریؒ کے شاگرد حضرت مولانا مولیٰ بخش صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" ایک موقعہ پر ایک غیر مشہور لفظ کی لغوی تحقیق وتشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس لفظ کو متنبّی نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے اور وہ شعر پڑھ کر آگے پڑھتے چلے گئے۔ کئی اشعار پڑھ کر سنانے کے بعد فرمایا کہ یہ اس وقت کا سرسری مطالعہ ہے کہ جب میں نے حضرت والد صاحبؒ کے شدید اصرار پر مولوی فاضل کا امتحان دیا تھا۔ جس میں مقامات حریری، بیضاوی، ہدایہ،

میبذی، توضیح، دیوان حماسہ، دیوان متنبّی وغیرہ بہت سی اہم فنی کتابوں کے حصص امتحان کے نصاب میں داخل تھے اور ان کتابوں میں بعض ایسی بھی ہیں جو میں نے تحصیل کے زمانہ میں پڑھی ہیں۔ دیوان متنبّی بھی انہی ناخواندہ کتابوں میں سے ایک ہے۔

تم تو صوفی لوگ ہو:

بسا اوقات کسی مناسبت سے سبعہ معلقہ کے دو چار شعر پڑھ کر ہم سے دریافت فرماتے کہ "یاد ہے" جب جواب نفی میں ملتا یا اکثر سکوت طاری رہتا تھا تو نہایت حکیمانہ انداز میں سرزنش کے طور پر فرماتے کہ " کیا یاد ہوگا تم تو صوفی لوگ ہو﴿و ما علمناه الشعر و ما ينبغي له﴾(۳۶:۶۱) شعرو شاعری تو تمہاری شان کے خلاف ہے۔"

فی البدیہہ شاعری:

ایک مرتبہ حسبِ معمول امتحان گاہ میں تشریف لا رہے تھے اور کافی سال پہلے کے کچھ مسودات ہاتھ میں تھے جن میں علمی جواہر پارے جمع فرمائے تھے۔ دور سے نمایاں ہوتا تھا کہ آج آپ پر نہایت نشاط کی کیفیت ظاہر ہو رہی ہے۔ اساتذہ کرام موجود تھے، کچھ مسودات خود بھی پڑھ کر سنائے اور کچھ دکھائے بھی اور پھر مجلس خوب طویل ہوگئی۔ اسی اثناء میں اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ مدرسی کے ابتدائی زمانہ میں میرے ایک دوست کا عربی منظوم خط میرے پاس آیا جس میں ادیبانہ انداز کے علاوہ شاعرانہ ذوق خوب نمایاں تھا۔ چنانچہ ان سے دو چار شعر پڑھ کر سنا بھی دیئے۔ پھر فرمایا کہ اسباق سے

فارغ ہو کر میں ڈاکخانہ گیا اور وہیں کھڑے کھڑے ایک پوسٹ کارڈ پر اس کا منظوم عربی جواب لکھ کر ڈاک کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ وہ شعر یہ تھے اور پھر اکثر شعر پڑھ کر سنا دیئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو ارتجالاً عربی شعر کہنے پر بھی قدرت ومہارت تھی۔" (خصوصی نمبر، ص ۱۰۷)

ڈاکٹر اقبال مرحوم کی حیرت:

حضرت شیخ بنوریؒ نے ایک موقع پر اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ:

" حضرت مولانا السید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" منتخب کرنے کے سلسلے میں لاہور میں جب علماء کا تاریخی اجتماع ہوا تھا اور اکابر علماءِ دیوبند بھی تشریف لائے تھے تو ڈاکٹر اقبال صاحب نے بڑی عقیدت مندی کے ساتھ دعوت نامہ بھیج کر اکابرِ دار العلوم دیوبند کو عشائیہ دیا تھا جس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے علاوہ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ اور میں بھی مدعو تھا۔

فرمایا: اثناءِ مجلس میں بہت سے علمی مسائل پر محققانہ گفتگو ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے کئی علمی اشکالات حضرت شیخ انور شاہؒ سے حل کرائے۔ فلسفی مسائل بھی چھڑ گئے جس پر شیخ انور شاہؒ نے فرمایا کہ اس موضوع پر "ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم" کے نام سے میرا ایک عربی قصیدہ ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہاں پڑھو۔ فرماتے ہیں مجھے انتہائی تعجب ہوا کہ شیخ کو کیسے پتہ چل گیا کہ مجھے قصیدہ یاد ہے۔ میں نے بلا تاخیر ابتداءِ

قصیدہ سے پڑھنا شروع کیا۔ میں پڑھتا جاتا تھا اور شیخ فرماتے جاتے تھے کہ: " آگے، آگے " یہاں تک کہ میں نے پورا قصیدہ سنادیا تو پوری مجلس پر حیرت چھا گئی، خصوصاً ڈاکٹر اقبال تو حیرت زدہ ہو کر کبھی میری طرف دیکھتے اور کبھی حضرت شیخ کی طرف۔" (خصوصی نمبر، ص ۷۰۳)

وسعتِ مطالعہ:

ہمارے اکابر کی زندگی کے سارے کمالات، علمی عظمتیں، محبوبیت، فقہی بصیرت، محدثانہ جلالتِ قدر، ادبی ذوق اور نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں قائدانہ کردار دراصل اپنے اساتذہ کے ادب، خدمت اور کثرتِ مطالعہ کی برکتیں تھیں۔ حضرت امام زہریؒ کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا کہ اِدھر اُدھر کتابیں ہوتیں اور امام صاحب ان کے مطالعے میں ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی۔ بیوی کو کب گوارا ہوسکتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی اس قدر گنجائش شوہر کے دل میں ہو۔ ایک دن بگڑ کر کہا: " واللہ لھذہ الکتب اشد علیٰ من ثلث ضرائر " قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

امام شافعیؒ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنیؒ نے اپنے استاد کی کتاب "رد الرسالہ" کا پچاس برس مطالعہ کیا۔ ارسطو کی کتاب "النفس" کا ایک نسخہ کسی کے ہاتھ لگ گیا جس پر حکیم ابوالنصر فارابی کے قلم کی یہ عبارت تحریر تھی "انی قرأت ھذا الکتاب مائۃ مرۃ " میں نے اس کتاب کو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

احقر نے اپنے شیخ، اپنے محسن، اپنے مربی اور استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کو بارہا دیکھا۔ بڑھاپا ہے، ضعف و علالت ہے، دو آدمی بمشکل اٹھاتے اور

بھاتے ہیں مگر بایں ہمہ جس سال ہم نے دورہ حدیث پڑھا، حضرت باقاعدہ مطالعہ کا اہتمام فرماتے تھے حالانکہ حضرت کو تمام مباحث یاد تھے۔ حضرت علوم کے بحرِ ناپیدا کنار تھے مگر حضرت احقر کو اپنے ہاں بالا خانہ میں بلوا کر ترمذی کا متن پڑھواتے اور جگہ جگہ حاشیہ سماعت فرماتے۔ کتاب المغازی میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی سیرتِ مصطفیٰ کے متعلقہ مباحث ضرور مطالعہ فرماتے۔ جب ظہر کے بعد آپ کا درس ہوتا تو دوپہر کا قیام حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ کے کوارٹر میں ہوتا۔ احقر بھی ساتھ ہوتا۔ حضرت کو احقر سے بے تکلفی تھی۔ نماز اول وقت میں پڑھ لیتے اور پھر چارپائی پر تشریف فرما ہوتے اور ارشاد فرماتے کہ پڑھیئے۔ میں نشان زدہ مقامات پڑھتا جاتا، حضرت سنتے جاتے۔ بات مطالعہ کی چل رہی ہے۔ آج اگر جامعہ اسلامیہ کراچی ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی کے روپ میں ڈھل گیا ہے اور اس کو یہ عظمتیں ملی ہیں تو اس میں حضرت شیخ بنوریؒ کی محنت و دعائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وسعتِ وکثرتِ مطالعہ میں اپنی علمی آراء متعین کرنے کے نقد ثمرات ہیں جو سب کو نظر آ رہے ہیں۔

محبوب مشغلہ:

حضرت شیخ بنوریؒ کو شروع ہی سے حصول علم کا انتہائی ذوق وشوق تھا۔ بچپن کا پسندیدہ اور محبوب مشغلہ کتابوں کی خریداری اور ان کا مطالعہ تھا۔ آخر تک علم ومطالعہ سے آپ کا رابطہ قائم رہا۔

کتابوں کا پیکٹ:

حضرت شیخ بنوریؒ خود فرماتے ہیں:

" میں شروع شروع میں جب دیوبند گیا تو میں نے امام غزالیؒ کی

"تهافة الفلاسفه" کا نام سنا (اس کے ساتھ اور کتاب غالبًا ابن رشد کی "تهافة التهافة" کا بھی ذکر فرماتے تھے) مولانا مفتی محمد شفیعؒ دار العلوم دیوبند میں مدرس تھے اور ان کی کتابوں کی بھی دکان تھی۔ میں نے ان سے ان کتابوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ موجود تو نہیں، بمبئی سے منگوادیں گے، میں نے پوچھا کب تک آجائیں گی۔ انہوں نے بمبئی لکھ دیا۔ میں مقررہ تاریخ کو ان کے کتب خانے پہنچا تو کتابیں آچکی تھیں۔ اتفاق سے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ بھی وہاں تشریف فرما تھے، کتابوں کا پیکٹ کھولا گیا تو میاں صاحب (مولانا اصغر حسین) کچھ حیران سے ہوئے، مجھ سے فرمایا: "ان کتابوں کو کون پڑھے گا۔" میں نے عرض کیا "میں پڑھوں گا" فرمایا "تم سمجھ لوگے" عرض کیا "سمجھنے کے لئے تو منگوائی ہیں۔" (خصوصی نمبر، ص ۷۳۵)

مسلسل مطالعہ:

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب رقم طراز ہیں:

" شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا عام علماء کے برخلاف مسلسل مطالعہ کرتے رہتے تھے اور جدید تحقیقات سے خود کو باخبر رکھتے تھے مگر اس کا اظہار کبھی نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب عارضۂ قلب میں مبتلا ہوئے اور ڈاکٹر نے آرام کی ہدایت کی اس وقت بھی انہوں نے شیخ الازہر الشیخ عبدالحلیم محمود کی نئی تصنیف جو تصوف کے موضوع پر تھی اور چار پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، بستر علالت پر لیٹے لیٹے پڑھ ڈالی۔ جب افاقہ ہوا اور ڈاکٹر نے

ملاقات کی اجازت دے دی تو میں عیادت کے لئے گیا تو اس کتاب کا مجھ سے ذکر کیا اور اس کتاب کی بہت تعریف کی۔"

حضرت شیخ بنوریؒ نے شعروادب اور علم ومطالعہ سے غلط نظریات کی جڑیں کاٹ کر صالح اور صحت مند اقدار کی آبیاری کی تھی۔ انہوں نے دلیری اور اخلاص کے ساتھ عالمِ انسانیت میں احیاءِ دین کی سعی کی۔

حضرتؒ کے قوتِ حافظہ، ذہانت، سرعتِ مطالعہ، حفظ واستحضار اور وسعتِ علم کے واقعات کے لئے تو پوری کتاب چاہیئے۔ وہ ہر وقت فکر علم میں مستغرق رہتے تھے بجز ان اوقات کے جب نیند کا شدید غلبہ ہو۔

کر رہا ہے تجھ سے باتیں بے خودی شوق میں
تیرے دیوانے کی تنہائی بھی لطف انگیز ہے

طالبانِ علومِ نبوت سے گذارش:

آج خواہش کے درجے میں ہر طالبِ علم، شیخ الہند، شیخ العربِ والعجم، مفتی اعظم، شہنشاہِ خطابت اور شیخ الادب بننا چاہتا ہے۔

ان تمام اعزازات کے حصول کے لئے ایک بات جو زمانہ طالب علمی میں حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں دیکھی تھی ایسی یاد رہی کہ لوحِ دل پر نقش ہوگئی اور حرزِ جان بن گئی۔

حضرت تھانویؒ اپنے تجربہ کی بناء پر طالبانِ علوم نبوت سے فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم تین باتوں کا التزام کرلیں، میں ذمہ لیتا ہوں ان کو استعدادِ علمی حاصل ہوجائے گی۔ وہ بالفعل، مدرس، مقرر، محقق، مفتی اور مصنف بننے کی صلاحیت حاصل

کر لیں گے۔

اولاً: یہ کہ آج جو سبق پڑھنا ہو اس کا پہلے سے مطالعہ کر لیا جائے اور مطالعہ بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مطالعہ میں معلومات اور مجہولات میں تمیز کر لی جائے۔

ثانیاً: سبق میں حاضری دیں۔ استاد سے سبق کو سمجھ کر پڑھیں اور بلا سمجھے آگے نہ بڑھیں۔

ثالثاً: پڑھے ہوئے سبق کا تکرار کریں۔ ان تین التزامات کے بعد کچھ یاد رہے یا نہ رہے ان شاء اللہ استعدادِ علمی حاصل ہو جائے گی۔

حضرت شیخ بنوریؒ کی علمی عظمت کے پس منظر میں آپ کی کاوشوں، مسلسل مطالعہ، ذوق کتب بینی، ذوق ادب اور علمی انہماک کا بھرپور عمل دخل نظر آتا ہے۔

دل کو تپشِ شوق کی یہ لذت پیہم
مل تو گئی لیکن بڑی مشکل سے ملی ہے

باب : ۵

اوصاف واخلاق، شخصیت وکردار

شمائل وخصائل

احادیثِ مبارکہ میں محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف روایات میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن و جمال کا بے مثال نمونہ بنا کر بھیجا۔

حسن خود حسن ہوا تیرے حسین ہونے سے

روئے زیبا تیرا خود زینت زیبائی ہے

جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یکا یک دیکھتا تو حسن و جمال کے رُعب کی وجہ سے مرعوب ہو جاتا۔ عبداللہ بن سلامؓ جو اسلام لانے سے پہلے یہود کے بڑے علماء میں سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھ کر پکار اٹھے کہ یہ چہرہ کسی کذاب، مفتری اور جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کو ایک جلسہ عام میں آریہ مبلغ نے

کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ اگر کسی کی صورت دیکھ کر اسلام قبول کیا جاتا تو آج مجھے حضرت مولانا انور شاہؒ کی صورت دیکھ کر مسلمان ہو جانا چاہیئے تھا۔ ان کے چہرے پر اسلام برستا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ بھی حسنِ سیرت کی طرح حسنِ صورت میں بھی اپنے شیخ کا عکس جمیل اور نمونہ تھے۔

نورانی صورتوں کی ایک جماعت:

حضرت مولانا محمد طاسین صاحبؒ فرماتے ہیں:

" ایک مرتبہ حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ ہمارے ہاں تشریف لائے تو اس وقت لائبریری میں کچھ لوگ مطالعہ کر رہے تھے، ان میں ایک صاحب ڈاکٹر الطاف جاوید تھے جو غیر معمولی علم و ذہانت کے ساتھ اس وقت اشتراکی ذہن رکھتے تھے۔ بعد میں نہایت متشرع صوفی بن گئے۔ حضرت شیخؒ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مجھ سے پوچھا کہ یہ حضرت کون تھے۔ میں نے بتایا تو کہنے لگے کہ جب یہ دروازہ سے داخل ہو رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان کے ساتھ نورانی صورتوں کی ایک جماعت ہے لہٰذا میرا دل انہیں دیکھ کر بہت متاثر بلکہ مرعوب ہوا۔" (خصوصی نمبر، ص۴۲۶)

لباس وحلیہ:

اللہ نے حضرت شیخ بنوریؒ کو ظاہری حسن و جمال سے آراستہ و مزین فرمایا تھا۔ سرخ وسفید رنگت، اوسط درجہ کا بدن، نکلتا ہوا قد، کتابی چہرہ جس پر سادگی، نفاست اور علم وفضل کا وقار برستا نظر آتا۔ ہمیشہ سفید کپڑے کا صاف ستھرا لباس، عمدہ قسم کا جبہ، سر پر

دیدہ زیب رومال باندھتے اور لباس کے معاملہ میں بہت باذوق تھے۔

ذوقِ تجمل:

ڈاکٹر غلام محمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

" لباس میں بھی وہ صاحبِ ذوق انسان تھے۔صاف ستھرا، اجلا لمبا کرتا اور ٹخنوں سے اونچی شلوار، اس پر رنگین عبا، کبھی سیاہ اور کبھی ہلکے سنہری رنگ کی، جوان کے گورے رنگ، میانہ قامت اور وجیہ شکل وصورت پر خوب کھلتی تھی۔سر پر کوئی ڈیڑھ پونے دو گز کا رومال، کبھی سفید اور اکثر ہلکی چوکڑی والا ہوتا تھا جو بڑی خوبی سے باندھا جاتا تھا اور اس رومال کے اندر سبز رنگ کی ٹوپی عمامہ سے قدرے ابھری ہوئی بہت زینت دیتی تھی۔ان کے مریدوں کو تصوّرِ شیخ قائم کرنے کے اہتمام کی کوئی حاجت نہ تھی، خود بخود نگاہوں میں اتر آتے اور ذہن پر مرتسم ہو جاتے تھے۔ان کا جمالیاتی ذوق انہیں دوسروں کے لباس پر بھی جمالیاتی نگاہ ڈالنے پر مجبور کرتا تھا۔ جہاں لباس کی موزونیت نظر آتی، ان کی زبان سے بے ساختہ تعریف نکل جاتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کے سر پر جناح کیپ بہت کھپ رہی تھی، مولانا نے فوراً داد دی۔ ایک عید پر راقم الحروف سیاہ حجازی عبا پہنے حاضر خدمت ہوا، مولانا کی نگاہ عبا پر پڑ گئی۔فرمایا یہ اونٹ کے بال کی بنی ہوئی ہے اور سب سے قیمتی عبا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ عبا مجھ کو اپنے ایک بزرگ خاندان سے ملی ہے اور ان کو سلطان عبد العزیز مرحوم نے ہدیۃً عنایت کی تھی۔فرمایا کہ یہی تو میں دیکھ رہا تھا۔ایک مرتبہ میری شیروانی کا کپڑا ڈیزائن کے لحاظ سے کچھ یونہی سا تھا،

مولانا نے دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ یہ آپ کو کیسے پسند آیا؟"

(خصوصی نمبر، ص ۴۳۶)

سراپا علم:

حضرت مولانا محمد طاسین صاحبؒ، صدر مجلس علمی کراچی فرماتے ہیں کہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ صرف عالم نہ تھے بلکہ سراپا علم تھے۔ علم آپ کی ذات میں ایسا بسا ہوا تھا جیسے پھول کے اندر رنگ و بو اور یا ہیرے کے اندر چمک دمک۔ علم آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر نقل و حرکت سے جھلکتا تھا۔ آپ علم کا ایک بلند و بالا پہاڑ اور ایک بحر ناپیدا کنار تھے۔ ایک سلیم العقل حقیقت شناس اجنبی جب آپ کو دیکھتا تو اس کا دل بول اٹھتا کہ یہ ضرور عالم دین ہیں۔ وہ جملہ یاد ہے جو ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بانی ندوۃ المصنفین دہلی نے فرمایا تھا جب وہ کافی عرصہ پہلے کچھ دنوں کے لئے کراچی تشریف لائے تھے۔ ایک گفتگو کے دوران مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کے متعلق فرمایا کہ ان کا عالم ہونا ان کی شکل وصورت اور وضع قطع سے خود بخود ظاہر ہوتا ہے بخلاف ہم لوگوں کے کہ جب تک کوئی ہمارا تعارف نہ کرائے دوسرے کو ہمارے عالم ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ میں نے مفتی صاحب موصوف کی یہ بات اس لئے نقل کی ہے کہ آپ حضرت مولانا بنوریؒ کے اقران و معاصرین میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں، لہٰذا آپ کی یہ بات مولانا بنوریؒ کے کمال علمی پر وزنی شہادت کی حیثیت رکھتی ہے۔ **الفضل ما شهدت به الاقران۔**

حضرت مولانا بنوریؒ علم کا ایک گرانماز خزینہ اور بیش بہا گنجینہ، ایک

ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا اور ایک پر بہار گلستان تھے اور بلاشبہ لفظ علامہ کے صحیح اور کامل معنوں میں مصداق۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۰۵)

پاکیزگی طبع:

حضرت شیخ بنوریؒ نظافت ونفاست کا حسین مرقع تھے۔ لباس، خوراک اور طرزِ بودوباش سے نفاست وسلیقہ مندی ٹپکتی تھی۔ آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر نقل وحرکت میں حسن وجمال کی چمک اور نفاست ونظافت کی جھلک تھی۔ گویا آپ "ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال" کا نمایاں مظہر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن وجمال کا پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق عطا فرمایا تھا۔ آپ کا ماحول، تہذیب وکردار اور سلیقہ مندی میں ایک بنیادی درسگاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

ذوقِ نفاست وسلیقہ مندی:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ رقم طراز ہیں:

" طبیعت میں نفاست بہت زیادہ تھی، ہمیشہ سفید براق کپڑے، صاف ستھرا لباس، عمدہ قسم کا جبہ، سر پر دیدہ زیب رومال یا صافہ، صرف لباس ہی کیا ہر چیز میں نفاست کی یہی حالت تھی۔ سالوں آپ کے پاس استعمال ہونے والی کتابیں ایسی صاف ستھری ہوتی تھیں کہ گویا نئی ہیں، ابھی استعمال ہی نہیں ہوئیں۔ نہ کتاب کھولنے کے نشان، نہ انگلی لگنے کے، مستعمل لباس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ اتنا پرانا ہے اور یہ اتنا قدیم ہے لیکن دیکھئے تو ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل نیا ہے، ابھی کسی نے استعمال ہی نہیں کیا۔ حال ہی میں بندہ کو ایک اعلیٰ درجہ کا شیفر قلم عنایت فرمایا اور فرمایا کہ یہ چالیس سال

استعمال کیا ہوا ہے لیکن دیکھنے میں آج بھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بالکل نیا ہو۔ غرض ہر چیز کو اتنے اچھے طریقہ سے استعمال فرماتے تھے کہ باوجود طویل زمانہ گزرنے کے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ پرانی چیز ہے۔ شب و روز استعمال ہونے والی اشیاء کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس چیزیں بہت دنوں تک چلتی ہیں۔

طبیعت میں ایسی نزاکت تھی کہ غلط چیز دیکھنا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ دسترخوان اگر ذرا ترچھا بچھا دیا جاتا تو فوراً تنبیہ فرماتے، چائے کا چمچہ اگر کوئی غلط چلا رہا ہے تو اس سے ناگواری ہوتی تھی۔ وفات سے کچھ روز قبل ایک صاحب کا انتقال ہوا، جنازہ میں شریک ہوئے، قبرستان جانے لگے تو ہم سے آگے والی موٹر کا ڈرائیور گاڑی صحیح نہیں چلا رہا تھا، کبھی ادھر کبھی ادھر، نہ اگلی گاڑی سے آگے بڑھتا، نہ صحیح طور سے اس کے پیچھے چلتا۔ یہ دیکھ کر طبیعت پر اثر ہوا، فرمانے لگے عجیب ڈرائیور ہے گاڑی بھی چلانی نہیں آتی۔ میں نے اپنی گاڑی کے ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی اس سے آگے کرلو، جب ہم اس سے آگے ہو گئے تو سکون ہوا۔" (خصوصی نمبر، ص۲۷)

کتابوں کا حسنِ استعمال:

جامعہ اسلامیہ کراچی کے رئیس جناب ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر تحریر فرماتے ہیں:

" کتابوں کی حفاظت اور حسنِ استعمال کا بہت اونچا ذوق تھا۔ کوئی کتاب برسوں استعمال فرماتے مگر میلی نہ ہوتی تھی۔ وفات سے چند روز پہلے یہ خادم

(ڈاکٹر صاحب) اور کچھ دوسرے اساتذہ بیٹھک میں بیٹھے تھے تو ایک کتاب "مقدمہ فتح الباری" ہاتھ میں لئے ہوئے فرما رہے تھے کہ یہ کتاب میرے والد صاحب نے اپنے بچپن میں خریدی تھی۔ انہوں نے استعمال کی، پھر میں نے کی، دیکھئے ایسی حالت میں ہے گویا ابھی بازار سے خریدی گئی ہو۔ ایک بار کسی دوست نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی، جب واپس کی تو جلد وغیرہ خراب ہو چکی تھی۔ آپ نے واپس نہیں لی بلکہ انہی کو دے دی۔"

کتاب کا ادب:

" کتابوں کے ساتھ ادب کا یہ عالم تھا کہ سوتے وقت پاؤں کی طرف کوئی کتاب نہ چھوڑتے چاہے وہ اونچی کیوں نہ رکھی ہو۔ ایک دفعہ سفر میں فرمایا کہ وہ کتاب وہاں سے ہٹا دیجئے۔ میں نے عرض کیا حضرت! درمیان میں حائل موجود ہے۔ فرمایا پہلی بار آپ کو سنا رہا ہوں، مجھ پر ایسا وقت بھی گذرا ہے کہ اگر پاؤں کی طرف کوئی بھی لکھی ہوئی چیز ہوتی میرے پاؤں پٹخ دیئے جاتے۔ آخر رو رو کر دعا کیا کرتا تھا کرتا رہا تب یہ کیفیت ختم ہوتی۔"

(خصوصی نمبر، ص ۴۵۸)

نفیس کتابیں، عمدہ جلدیں:

ڈاکٹر غلام محمد صاحب کراچی لکھتے ہیں:

" مولانا کتابوں کے رکھنے اور ان کے برتنے میں بھی بڑے باذوق تھے۔ ہر کتاب کا عمدہ سے عمدہ ایڈیشن خریدتے اور نفیس ترین جلد بنواتے اور اس نفاست سے پڑھتے تھے کہ کسی صفحہ پر کہیں کوئی داغ دھبہ یا قلم اور پنسل کا

کوئی نشان نہیں ہوتا۔ ان کے طالب علمی کے زمانہ کی کتابیں آج تک نئی کی نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کا جمالیاتی ذوق بعد میں نشو ونما پایا تھا بلکہ وہ پیدائشی طور پر یہ ذوق اپنے ساتھ رکھتے تھے اور بدذوقی سے ان کی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک اور عالم کی موجودگی میں، میں نے اپنی تالیف مولانا کی خدمت میں پیش کی۔ ان عالم نے مولانا کے ہاتھ سے وہ کتاب لے لی کہ پہلے میں دیکھ لوں، پھر آپ پڑھیئے۔ مولانا خاموش رہے اور وہ عالم کتاب لے کر چلے گئے۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ اب وہ کتاب میرے کس کام کی رہ گئی، میں تو ہرگز واپس نہ لوں گا اس لئے کہ وہ صفحہ کو اس بری طرح سے پلٹتے ہیں کہ وہ مڑ جاتا ہے اور پھر درمیان میں لکیریں بھی کھینچ دیتے ہیں، مجھ سے ایسی کتاب پڑھی نہیں جاتی۔"

اکل وشرب میں نفاست اور عمدہ ذوق:

" کھانے پینے میں بھی مولانا کا ذوق نہایت نفیس اور معیاری تھا۔ وہ کسی پکوان کی جب داد دیتے تو صرف "سبحان اللہ" یا "واہ واہ" نہ ہوتی تھی بلکہ اپنی ذوق شناسی کا ثبوت اس طرح دیتے کہ اس کے ذائقہ میں مصالحوں کے توازن اور ذائقہ کی اصل عمدگی کی طرف بھی ضرور اشارہ فرماجاتے تھے۔ جگر مرادآبادی نے اپنے مجموعہ کلام "شعلہ طور" کا انتساب بہادر یار جنگ مرحوم کے نام سے کیا ہے اور وجہ یہ ظاہر کی ہے کہ ان سے زیادہ "صحیح" شعر کی داد دینے والا کسی اور کو نہیں پایا۔ مولانا سے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ

دستر خوان کی صحیح داد دینے والا میں نے ان سے بہتر کوئی نہیں دیکھا۔اس مجور نے مولانا کے دستر خوان پر بارہا ان کے ذوقِ طعام کا لطف اٹھایا اور اپنے دستر خوان پر ان سے داد حاصل کی تھی۔ چائے تو بلاشبہ جیسی وہ اپنے دستِ خاص سے بنا کر پلاتے تھے، کم پینے میں آئی۔مولانا اس کا اصول بھی بیان کرتے تھے کہ پیالی میں پہلے شکر ڈالی جائے پھر چائے اور پھر دودھ اور دودھ جب ڈالا جائے تو پہلے بالائی اس کے اندر گھول لی جائے ورنہ چائے کا لطف جاتا رہتا ہے۔ایک مرتبہ غریب خانہ پر از خود تشریف لے آئے۔چائے پیش کی گئی۔ایک چسکی لی اور فرمایا" خوب بنی ہے "اگر دو منٹ اور زیادہ دم دی جاتی تو تلخی پیدا ہو جاتی، دم دینا بھی ہر ایک کو نہیں آتا۔

مولانا کھانے پینے کے برتن بھی نہایت عمدہ رکھتے تھے اور برتنے کی چیزوں میں جدید ترین چیزیں ان کے ہاں نظر آتی تھیں۔اس معاملے میں ان کا حال ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾ (سورة:۷۔آیت:۳۲) کی حقیقت کا بے غبار آئینہ تھا۔"

(خصوصی نمبر، ص۴۳۵)

چائے کا ذوق واہتمام:

حضرتؒ مولانا مفتی عبدالستار صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" ایک مرتبہ وفاق المدارس کے اجلاس میں دستر خوان پر چائے لائی گئی۔ خادم نے چائے بنانا شروع کی تو فرمایا تمہیں چمچہ ہلانے کا بھی سلیقہ نہیں، یوں ہلاؤ، یوں نہیں۔ایک دوسرے موقع پر چائے نوش فرما کر اس کی بہت تعریف

فرمائی اور فرمایا کہ یہ چائے واقعی چائے ہے۔مولوی ادریس صاحب اسے تھرماس میں رکھ لو، جہاز میں ایسی چائے نہیں ملے گی۔آئندہ سال پھر تشریف آوری ہوئی تو خدام نے اہتمام سے چائے تیار کر کے پیش کی۔نوش فرمانے کے بعد عرض کیا گیا حضرت! چائے کیسی تھی؟ فرمایا اچھی تھی لیکن پتی گذشتہ سال والی نہ تھی۔مولانا محمد صدیق فرماتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی تھا کہ وہ پہلے سال والی چائے ہمیں دستیاب نہیں ہوئی تھی، دوسری چائے استعمال کی گئی تھی۔" (خصوصی نمبر، ص۴۹۲)

لطافتِ طبع:

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب فرماتے ہیں:

" حسن و جمال سے حضرت مولانا بنوریؒ کا ایسا طبعی لگاؤ تھا کہ جس چیز میں حسن و جمال دیکھتے اس سے ضرور متاثر اور خوش ہوتے اور اسے ضرور خراج تحسین پیش کرتے۔عام ہے کہ وہ چیز قدرتی مناظر میں سے ہوتی جیسے کوئی حسین وادی، پہاڑ جھیل، دریا، آبشار وغیرہ یا وہ کسی خوبصورت پتھر، پھول، پھل، پرندے اور چرندے کی شکل میں ہوتی، کسی مصنوعی حوض، باغ، کھیت، سڑک اور عمارت کی شکل میں ہوتی یا قالین، فرنیچر، برتن، کپڑے اور گھڑی وقلم وغیرہ کی شکل میں ہوتی، کھانے پینے، سونگھنے کی چیز ہوتی یا پہننے، پوشنے اور لکھنے پڑھنے کی چیز ہوتی، کوئی اچھی گفتگو اور تقریر ہوتی یا عمدہ کتابت اور تحریر ہوتی، کوئی نثری عبارت ہوتی یا شعری نظم ہوتی، کوئی علمی بحث و تحقیق ہوتی یا فکری کدو کاوش ہوتی، شاعرانہ تخیل آرائی ہوتی یا عالمانہ نکتہ آفرینی

ہوتی، کوئی اچھی عادت وخصلت ہوتی یا عمدہ ذہانت وذکاوت ہوتی، معصوم بچوں کی ادائیں ہوتیں یا بزرگوں کی کریمانہ شفقتیں، غرضیکہ جس شے میں بھی حسن وجمال، مناسب توازن، نفاست ولطافت دیکھتے متاثر ہوکر دادِ تحسین دیتے اور مسرت کا اظہار کرتے۔

یہ دوسرے مرزا مظہر جان جاناںؒ ہیں:

اسی طرح جب کسی چیز میں بے ڈھنگا پن، بدنظمی، بے ترتیبی اور بگاڑ دیکھتے تو اس سے آپ کو ذہنی کوفت ہوتی اور سخت اذیت پہنچتی۔ پھر جب تک اس پر تنقید کر کے بھڑاس نہ نکالتے چین نہ ہوتا۔ بڑے آغا جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دوسرے حضرت مرزا مظہر جان جاناں ہیں جو لطافت طبع، نزاکت مزاج اور ذوقِ جمال میں ممتاز اور منفرد تھے۔

قرینہ اور نزاکت:

جب حسنِ اتفاق سے قریبی اور بے تکلف دوست جمع ہو جاتے اور چائے کا خاص اہتمام ہوتا تو عمدہ ظروف اور بہترین پتی، خالص دودھ اور نفیس بسکٹ وغیرہ سے تواضع کی جاتی۔ خاص طریقہ سے دسترخوان بچھایا جاتا، اس پر نہایت قرینے سے برتن چنے جاتے، پیالیوں میں شکر اور پھر چائے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ڈالی جاتی اور پھر چمچہ ہلانے میں خاص نزاکت کا لحاظ رکھا جاتا، کئی بار ایسا ہوا کہ میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ چمچ ہلانے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود گرفت میں تحمیق ہوگئی اور سب کے سامنے پیاری سی ڈانٹ پڑی اور ہنسی خوشی کا سامان فراہم ہوگیا۔

شانِ محبوبیت:

جو سلیم الفطرت انسان آپ سے ملتا، آپ کی مجلس میں بیٹھتا، گفتگو سنتا اور کچھ کھاتا پیتا تو ضرور فریفتہ اور گرویدہ ہو جاتا اور آپ کی نورانی شخصیت کا اس کے دل و دماغ پہ ضرور اثر پڑتا۔ آپ کو دیکھنے سے دل و دماغ پر نہایت خوش گوار اثر پڑتا اور آدمی مرعوب ہو جاتا تھا۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۲۵)

محبوبیت وقبولِ عام:

حضرت شیخ بنوریؒ کے داماد حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے مشاہدات بیان فرماتے ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ کو جو دیکھتا نہایت محبت واحترام سے ملتا۔ مصری ہو یا ترکی، عراقی ہو یا لیبی، یمنی ہو یا فلسطینی، مغربی ہو یا انڈونیشی، نائجیریا کا ہو یا افریقہ کا ہو، امریکی کالا ہو یا گورا جسے دیکھو زانوئے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حاضر ہو رہا ہے اور شرفِ تخاطب سے اپنے آپ کو سعید بنا رہا ہے۔ یہی وہ قبولیت ہے جس کا تذکرہ حدیثِ نبویؐ میں "ثم یوضع له القبول فی الارض "میں آتا ہے۔ راقم الحروف نے کئی بار دیکھا کہ بھیڑ خواہ کم ہو یا زیادہ، آپؒ اس کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ دورانِ طواف خواہ کتنا ہی رش ہو لیکن آپؒ کا طواف کچھ اس طرح سے ہوتا کہ نہ کسی سے مزاحمت، نہ کسی سے ٹکر، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجمع خود بخود ان کے لئے راستہ بنا رہا ہے یا کوئی فرشتہ مجمع کو سامنے سے ہٹا رہا ہے۔ یہ کوئی ایک مرتبہ کی بات نہیں بلکہ بارہا کا مشاہدہ ہے، صرف میرا ہی نہیں بلکہ سینکڑوں آنکھوں نے

اس کا نظارہ کیا ہے۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۸۱)

وجاہت وعظمت:

جناب منشی عیسیٰ بھائی ابراہیم صاحب حضرت شیخ بنوریؒ کے ساتھ اپنے سفر کی روداد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

" سفر میں جب ہم دہلی اسٹیشن پر اترے تو وہاں سامان رکھنے والوں کا ایک بہت بڑا مجمع ہو گیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا ہم بھی یہاں سامان رکھ دیں؟ ہم نے کہا کہ سہولت تو اسی میں ہے۔ حضرت اترے، میں نے دیکھا حضرتؒ کی وجاہت کا یہ عالم تھا کہ لوگ از خود حضرت کو جگہ دے دیتے تھے اور حضرت کی عالمانہ شان اور وقار اور چہرہ کا رعب دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے تھے۔ حضرتؒ چند منٹ میں سامان رکھوا کر رسید لے کر ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ وہاں سے ہم مدرسہ امینیہ پہنچے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ طلباء کو حدیث پڑھا رہے تھے، ہم کو دیکھ کر درس بند کر کے ہم سے ملے، کھانا تیار کروایا۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۳۰)

مہمان نوازی:

مہمان نوازی سنتِ انبیاء کرام ہے حتیٰ کہ چشمِ فلک نے ایک دور وہ بھی دیکھا جب مسافر ومہمان کسی کے ہاں کھانا نہ کھاتے تو اسے دشمنی کی علامت تصور کیا جاتا تھا۔ قرآن گواہ ہے کہ جب فرشتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ نے فوراً بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔ فرشتے چونکہ انسانی شکل میں تھے اس لئے ابراہیم خلیل اللہ تمیز نہ کر سکے کہ یہ انسان ہیں یا فرشتے۔ جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ

نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے تو انہوں نے کہا کہ ڈریئے مت، ہم آپ کے دشمن نہیں بلکہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہم کھانے پینے سے پاک ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام مطمئن ہوئے۔

مہمان نوازی میں مذہب وملت کی بھی کوئی تفریق نہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی مہمان داری کرتے تھے۔ حضرت محدثِ کبیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ ہمیشہ اس اسوۂ نبویؐ پر عمل پیرا رہے۔ آپ مہمانوں کے سکون وراحت کا ہر ممکن خیال فرماتے۔ وقت بے وقت جب کوئی مہمان آجاتا تو اس کی ضیافت اور خدمت سے خوش ہوتے۔

" مشتے نمونہ از خروارے " کے طور پر چند واقعات نذرِ قارئین ہیں۔

تم میرے مہمان ہو:

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب راوی ہیں:

" ۱۹۷۰ء میں میرا رمضان المبارک میں عمرے اور اعتکاف کے ارادے سے حرمین شریفین کے سفر کا ارادہ ہوا۔ حضرت شیخ بنوریؒ بھی تشریف لے جا رہے تھے۔ ہوائی جہاز میں ہم دونوں کی سیٹیں برابر برابر تھیں۔ جب جہاز جدہ اترنے والا تھا تو ہمیں کارڈ دیئے گئے جس میں ہمیں مکہ معظمہ میں اپنے قیام کی جگہ لکھنی تھی۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے مجھ سے پوچھا تم کہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اپنے سابق معلم اکرم الدین کے ہاں۔ فرمایا کہ نہیں، تم عبدالعزیز خوگر کا پتہ لکھو۔ میں وہیں ٹھہروں گا تم میرے ساتھ ٹھہرنا۔ بس اب تم میرے مہمان ہو اور حضرت شیخ بنوریؒ نے میری مہمانی

کچھ اس شان سے کی کہ جس کو بیان کرنے سے زبان وقلم قاصر ہے۔ جہاز سے اتر کر اور بعد عید مدینہ منورہ سے روانگی تک جملہ اخراجات خود حضرت شیخ نے برداشت کئے حتیٰ کہ عمرہ اول سے سعی کے بعد بال منڈوانے کے لئے ہم دونوں حجام کی دکان پر گئے۔ حضرت شیخ بنوریؒ پہلے فارغ ہو گئے تو حجام کو اپنے اور میرے دونوں کے پیسے دیکر مجھ سے کمرے میں آجانے کا کہہ کر چلے گئے۔ غرض مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں قیام وطعام اور ٹیکسی وغیرہ کے کرائے غرض تمام اخراجات خود ادا کئے اور اس شان سے کہ مجھے لب کھولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک دن میں کہنے لگا کہ مولانا آپ تو بہت مالدار ہیں۔ کہنے لگے کہ نہیں بھائی! مال دار تو تم ہو البتہ یہاں بے شک ہم مالدار ہیں۔

محبت ومہربانی کا نقش:

یہ بھی حسنِ اتفاق تھا کہ مکہ معظمہ میں معتقدین نے آپ کے قیام کا جہاں بندوبست کیا تھا وہ اسی معلم کی عمارت کی پہلی منزل ہی میں تھا جو میرا معلم تھا حالانکہ مولانا کا معلم دوسرا تھا۔ حج کے بعد منیٰ سے واپسی پر میری طبیعت خراب ہوگئی۔ اسہال اور سخت بخار نے آجکڑا۔ کئی نمازیں حرم میں نہ پڑھ سکا اور ایک نماز قضا بھی ہوگئی۔ بیماری کی پہلی صبح کو ابھی میں پوری طرح بیدار بھی نہ ہوا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا کھڑے ہوئے ہیں اور مجھے اٹھنے اور چائے پینے کو کہہ رہے ہیں، ہاتھ میں چائے کی ٹرے ہے جس میں چائے اور بسکٹ اور سیب رکھے ہیں، دل میں حیرانی اور ایک قسم کی ندامت بھی تھی کہ مولانا کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔ شاید مولانا کو میری علی الصبح چائے پینے کی عادت

کا علم تھا۔سخت بیماری کے سبب ہوٹل وغیرہ نہ جا سکتا تھا،مولانا اپنے کمرے سے چائے بنوا کر خود لے کر نیچے آئے،ساتھ ہی بسکٹ بھی تھے اور دوا کی چند گولیاں بھی۔ مجھے کمزوری بے حد تھی، میں نے اٹھ کر چائے پی۔ جب تک چائے پیتا رہا مولانا میرے پاس بیٹھے رہے اور چند احادیث سنائیں اور تسلی دی کہ فکر نہ کرو جلد صحت یاب ہو جاؤ گے اور وہ گولیاں دیں جو وہ ساتھ لائے تھے اور واقعی یہ ان احادیث کی برکت تھی یا مولانا کی دعا کہ میں رات بھر سخت بخار میں پھنکنے کے باوجود دوسرے دن دوپہر حرم میں نماز پڑھنے چلا گیا۔ مولانا کے ساتھ ان کی نابینا صاحب زادی اور ایک خادمہ بھی تھی، وہ چائے خادمہ کے ہاتھ بھی بھیج سکتے تھے مگر خود لے کر آئے۔مولانا کی محبت ومہربانی کا نقش آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

اعترافِ کمال وعلم پروری:

مولانا ایاز ملکانوی صاحب رقم طراز ہیں:

" معاصرت عینِ منافرت کی چشمک سے اربابِ علم وکمال کا طبقہ خوب واقف ہے۔اس روگ کی ستم کاری سے نہ معلوم کتنوں کے دامن تار تار ہوئے، جو اہلِ علم کی تاریخ کا ایک المیہ ہے۔مگر قربان جایئے جمالِ یوسف کے کمالِ بے مثال پر کہ اپنے ہی ادارہ کے ایک رکن جو کہ ہر اعتبار وحیثیت سے حضرت الاستاذ علامہ بنوری نور اللہ مرقدہ کا ہم پلہ نہ تھے لیکن باوجود اس کے جب کبھی واردین وصادرین میں عرب شیوخ وسفراء کی جامعہ میں آمد ہوتی اور حضرت الاستاذ علامہ بنوری نور اللہ مرقدہ دیگر ملاحظاتِ جامعہ سے

علاوہ جب اکابر اساتذۂ جامعہ کا تعارف کراتے تھے تو ادارہ کے رئیسِ دارالافتاء مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کا یوں تعارف کراتے: "ھذا الشیخ ولی حسن" حضرت الاستاذ علامہ بنوری نور اللہ مرقدہ کے اس عمدہ لطیف تفففنِ ادا پر عموماً مجلس کشتِ زعفران کا نمونہ بن جاتی تھی۔"

(ماہنامہ القاسم، اکتوبر ۲۰۰۲ء)

راحت رسانی:

ایک مرتبہ حضرت شیخ بنوریؒ کو مجھ سے کوئی قانونی مشورہ کرنا تھا۔ فون کیا کہ آج ایک ضروری کام ہے، مغرب کے بعد آجاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نمازِ مغرب کے بعد ایک جنازے میں شرکت کرنی ہے۔ فرمایا اچھا، نماز یہیں پڑھ لینا، گفتگو مختصر کریں گے۔ میں نے نماز حضرت شیخ کے ساتھ پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوگیا تو مجھ سے حضرت شیخ نے فرمایا: آپ مہمان خانے میں بیٹھئے، میں وہیں آتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت شیخ بنوریؒ تشریف لے آئے اور فرمایا کہ آج میں نے اپنے معمولات مختصر کر دیئے کیونکہ آپ کو جلدی جانا ہے۔

میں سمجھ گیا کہ حضرت نے آج اوابین کی نفلیں نہیں پڑھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ دوسروں کی تکلیف کا بہت احساس کرتے تھے۔ انہوں نے اس خیال سے کہ مجھے دیر نہ ہو جائے اپنے روز کے معمولات چھوڑ دیئے حالانکہ لوگ اپنے معمولات کے سامنے دوسروں کی تکلیف کا کم ہی خیال کرتے ہیں۔ مثلاً کہیں دعوت ہے، میزبان اور دوسرے لوگ آپ کے منتظر ہیں مگر

آپ معمولات نہیں چھوڑتے۔" (خصوصی نمبر،ص ۴۴۸)

پر تکلف دعوت:

جنابِ عیسیٰ بھائی ابراہیم انڈیا والے رقم طراز ہیں:

" حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ صاحب حج کے مبارک سفر سے واپس آئے تو احقر حضرت مولانا عبدالرحیم لاجپوری کی معیت میں ڈابھیل ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ بے حد محبت ومسرت کا اظہار فرمایا اور پر تکلف دعوت کے ساتھ قسم قسم کی عمدہ مدنی کھجوریں اور آب زمزم سے اپنے قلب میں نور کی کیفیت محسوس کی۔ واپسی میں ہمیں وداع کرنے سورت تک تشریف لائے اور ہم دورانِ سفر حضرت کے علم سے مستفید ہوتے رہے۔ ایک دفعہ بڑودہ میں جمعیت علماء صوبہ گجرات کی میٹنگ تھی۔ احقر نے خط لکھا کہ میں بھروچ اسٹیشن سے حضرت کی معیت میں سوار ہوجاؤں گا۔ چنانچہ میں بھروچ سے ٹرین میں سوار ہوا تو حضرت شیخ نے ٹرین ہی میں ضلع سورت کے بہترین آم کاٹ کر سامنے رکھ دیئے۔

دہلی کے سفر کے دوران حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے شدید انکار کے باوجود ہمارے بستر بچھا دیئے۔ ٹرین سے اتر کر چائے اور دوسری کھانے کی چیزیں خرید لاتے اور ہم میں سے کسی کو کسی کام میں مدد نہ کرنے دیتے۔ واپسی پر تقریباً شام کے پانچ بجے "رتلام" اسٹیشن پر پہنچے تو حضرت خود چائے لینے کے لئے تشریف لے گئے۔" (خصوصی نمبر،ص ۶۳۰)

حضرت شیخ بنوریؒ مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ

مہمان نوازی ان کی طبیعتِ ثانیہ اور روحانی غذا ہے۔ مہمان کی آمد پر بہت خوش ہوتے تھے۔ مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت وکردار میں قناعت واستقامت، ایقان وتوکل، زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت، تواضع وانکساری، شرم وحیا، جود وسخا، نجابت وسعادت اور شرافت ووجاہت کے جوہری اوصاف پنہاں تھے جو اپنے اپنے ابواب میں ان شاء اللہ بیان ہوں گے۔

حضرت شیخ بنوریؒ کی شخصیت وکردار کے یہ مختلف گوشے حضرت کے متعلقین، احباب اور عامۃ المسلمین کو اپنی جدوجہد زندگی میں مشعلِ راہ کا کام دیں گے اور ان کے نقوشِ پا بیابان کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی ثابت ہوں گے۔

بہر کیف حضرت شیخ بنوریؒ کے اوصاف وکمالات میں اکرامِ ضیف کا وصف ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ مہمان کے ساتھ آپ کے حسن وسلوک کا صحیح معنوں میں وہی اندازہ کرسکتے ہیں جنہیں کبھی آپ کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا ہو۔

باب : ٦

ذوقِ عبادت، ریاضت ومجاہدہ، انابت الی اللہ تلاوتِ قرآن اور عاشقانہ ادائیں

اسلامی شریعت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل خواہ اس کا تعلق دنیوی زندگی سے ہو یا اخروی زندگی سے اور غیر مشروط اطاعت کا نام عبادت ہے۔ امام راغب اصفہانی نے المفردات میں عبادت کے معانی انتہائی درجہ تذلّل، انکساری اور عاجزی کے بیان کئے ہیں۔ علامہ ابن منظور نے " لسان العرب " میں عبادت کے معانی اطاعت، غلامی، بندگی اور سپردگی کے بیان کئے ہیں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں عبادت کے لغوی معنی پست ہونے کے ہیں۔ شریعت میں اس سے مراد ایسی کیفیت ہے جس میں انتہائی محبت کے ساتھ انتہائی خشوع وخضوع موجود ہو۔ عبادت کا حکم اللہ نے بار بار انسان کو دیا ہے۔

ارشاد ہے اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ (۲:۲۱)

دنیا کے ہر مذہب میں عبادت کا حکم موجود ہے لیکن عبادت کی جو تشریح، حقیقت اور تصور اسلام نے دیا ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل، اعلیٰ اور ارفع ہے۔

وہ تشریح، حکم اور تصور یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خدا کی عبادت سے غافل نہ ہو۔ اس کا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا غرض سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو۔ عبادت اللہ کے ساتھ براہِ راست رابطہ و تعلق کی ایک عملی صورت ہونے کے باعث خود مقصد اور نصب العین بھی ہے۔ قرن اول کے مسلمانوں کو عبادت و ریاضت کے انہماک ہی نے بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ وہ عبدِ حقیقی کی منہ بولتی تصویریں تھے۔ آج سے تقریباً دو صدی پہلے علم اور عبادت و ریاضت کا چولی دامن کا ساتھ تھا مگر بعد میں شریعت و طریقت اور حقیقت کے خوشنما عنوانات سے عبادت سے گریز کا راستہ اختیار کیا گیا اور چند مخصوص علامات کو بزرگی اور ولایت کے لئے نشان قرار دیا گیا حالانکہ قرآن عزیز نے عبادت ہی کو مقبولیت دربارِ خداوندی کا قوی سبب قرار دیا ہے۔

درد تم نے تو تڑپنے کو دیا ہے لیکن
ہم اگر درد کو بھی زیست کا عنوان کرلیں

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنے اخلاق و اذواق، عادات و خصائل اور اشغال و اعمال میں ایک محقق، عارف باللہ اور اہل اللہ تھے۔ انہیں ذوقِ عبادت، یقین و اخلاص، کامل اتباعِ سنت اور فنافی الشریعت سے وافر حصہ ملا تھا۔

نمازِ باجماعت کا اہتمام:

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب حضرت شیخ بنوریؒ کے غلبہ عبدیت اور اہتمام نماز کے بارے میں رقم طراز ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ کے نزدیک عبادت سب سے اہم اور ضروری چیز تھی، لہٰذا وہ ہر عبادت خواہ بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی، فرض ہو یا نفل پورے ذوق اور نہایت اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور ان میں معمولی آداب کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ نمازِ باجماعت کا انتہائی التزام تھا۔ اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ پہنچ سکتے تو اپنی جگہ جماعت کرتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ شادی وغیرہ کی تقریب میں شرکت فرمائی جو کسی بڑے ہوٹل یا کسی بنگلے میں تھی اور درمیان میں مغرب یا عشاء کا وقت آ گیا تو آپ نے منتظمین کو حکم دیا کہ ہم باجماعت نماز پڑھیں گے اس کے لئے جگہ اور فرش کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ انتظام کیا گیا اور آپ نے باجماعت نماز ادا فرمائی۔ وہ کبھی یہ کہہ کر نمازِ عشاء کو موخر نہ کرتے تھے کہ وہ دیر میں بھی پڑھی جا سکتی ہے لہٰذا تقریب ختم ہونے کے بعد پڑھ لیں گے کیوں کہ اس سے بہت سے لوگوں کا جماعت سے محروم ہو جانا لازمی ہوتا ہے۔

سراپا عبادت:

رمضان المبارک میں تو مولانا سراپا عبادت بن جاتے تھے۔ خوب ذوق و شوق سے روزے رکھنے اور رات کا بڑا حصہ نماز اور تلاوت میں گزارتے۔ گھٹنوں کے درد کے باوجود تراویح میں پانچ پانچ پارے سنتے اور جب حرمین شریفین میں ہوتے تو اس نشاط سے عبادت کرتے کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا، بمشکل دو تین گھنٹے آرام کرتے۔ باقی سارا وقت مختلف عبادات میں گزرتا۔ مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ

میں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں معتکف تھے۔ گھٹنوں میں درد کی تکلیف کا سب لوگوں کو علم تھا۔ اتفاق سے اس مرض کے ایک ماہر اسپیشلسٹ ڈاکٹر جو غالبًا لائل پور (فیصل آباد) کے تھے، مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ کسی نے ان سے مولانا کی بیماری کا ذکر کیا تو وہ مولانا کے پاس معتکف گاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! میں اس کا علاج گھٹنے میں ایک خاص انجکشن لگا کر کرتا ہوں اور فائدہ ہوتا ہے، چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی لگاؤں۔ فرمایا: بہت اچھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت سے انجکشن لگایا اور عرض کیا کہ ضروری ہے کہ ایک دو دن آپ نماز بیٹھ کر ادا کریں، کھڑے ہو کر پڑھنے سے فائدہ زائل ہو جائے گا۔ آپ اس پر خاموش رہے لیکن جب عشاء کی جماعت کھڑی ہوئی تو آپ بھی کھڑے ہو گئے اور نہ صرف یہ کہ فرض نماز بلکہ اس کے بعد تراویح جس میں کئی پارے پڑھے گئے، پھر تہجد جس میں تین پارے ہوتے سب میں اول سے آخر تک کھڑے رہے۔ فرض و نفل سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! باوجود ڈاکٹر کے منع کرنے کے آپ نے رات بھر سب نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرمائیں ایسا کیوں ہوا؟

تو جواب میں فرمایا: بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کے انجکشن سے مجھے درد میں سکون محسوس ہوا، لہٰذا دل میں آیا کہ کیوں نہ اس سکون سے روحانی فائدہ اٹھایا جائے، عشرہ اخیرہ کی یہ مبارک راتیں اور پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ ہمیشہ یہ تھوڑی ہی مل سکتی ہیں، میں جسمانی راحت کی خاطر کیسے ان

روحانی فیوض و برکات سے محروم ہو جاؤں، اللہ مالک ہے۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولاناؒ باوجود گھٹنوں کے درد کے مسلسل کئی کئی طواف کرتے رہتے۔ اسی طرح عموماً صفِ اول میں کھڑے ہوتے اور جب احباب کے ساتھ حرم شریف میں بیٹھتے تو میزاب رحمت کے سامنے ایک جگہ مقرر تھی، ہمیشہ وہیں بیٹھتے اور ذکر وفکر اور وعظ و نصیحت فرماتے۔" (خصوصی نمبر، ص ۷۹۳)

تضرع وابتہال:

جناب حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر فرماتے ہیں:

" میں نے افریقہ کے ایک طویل سفر میں دیکھا کہ تہجد سے فارغ ہو کر بیٹھے ہیں، زار و قطار رو رہے ہیں اور فرماتے جا رہے ہیں کہ ہم نے اللہ کے لئے کیا کیا؟ ہم نے اللہ کے لئے کیا کیا؟ نماز کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ زمبیا ایئرپورٹ سے جب شہر کی طرف روانہ ہوئے تو وہاں کے حضرات نے عرض کیا کہ عصر کی نماز شہر میں پہنچ کر پڑھیں گے مگر ایئرپورٹ شہر سے کافی دور تھا۔ جب راستہ میں دیکھا کہ سورج کے متغیر ہونے کا خطرہ ہے تو سختی سے موٹریں رکوادیں اور تیمّم فرمایا اور ایک طرف گھاس پر باجماعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ اب اطمینان ہو گیا۔

سفر و حضر میں تہجد کی نماز آپ کا مستقل معمول تھا۔ پہلی دو رکعت خفیف ہوتیں، دوسری دو میں پوری سورہ یٰسین تلاوت فرماتے۔ باقی رکعت میں مختلف سورتیں پڑھتے۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۶۰)

عاشقانہ ادائیں:

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب رقم طراز ہیں:

" آخری سالوں میں جب گھٹنوں کا درد بڑھ گیا تھا تو بعض نمازیں اپنی جائے قیام پر ہی باجماعت ادا فرمالیتے تھے۔ ایک روز گریہ کی کیفیت تھی اور فرمانے لگے اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ جب میں صحت مند تھا تو میلوں سے بھی چل کر حرم کی نماز میں شریک ہوتا اور مجھ سے کوئی جماعت نہیں چھوٹتی تھی لیکن اب میں معذور ہو گیا ہوں۔

مدینہ منورہ میں تو عجیب ہی کیفیت ہوتی، مسجد نبوی میں بہت زیادہ ادب کا خیال فرماتے۔ عموماً معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے وقت سے پہلے ہی حرم میں تشریف لے جاتے اور خاص کر عصر سے عشاء کا وقت تو حرم میں ہی گذارتے۔ مواجہ شریف میں سلام عرض کر کے سامنے ہی بائیں جانب صفِ اول میں بیٹھ جاتے اور یہ سارا وقت عبادت، تلاوت، ذکر اور درود شریف میں گذرتا اور کسی سے بات کرنا پسند نہ فرماتے۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۴۸)

جذب وکیف اور شانِ دلربائی:

استادِ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب بیان فرماتے ہیں:

" آخری سالوں میں ضعف ونقاہت بڑھ گئی تھی اور گھٹنوں میں شدید درد کی وجہ سے چلنا پھرنا اور کسی اونچے مکان یا زینے پر چڑھنا بہت مشکل ہوتا، ادھر موسم حج میں ہر سال حج کے ازدحام میں بے حد اضافہ ہوتا رہا۔ اسی سفر میں نمازِ عصر سے قبل میں نے حرم کے قریب مولانا کے مستقر پر حاضری دی۔

آپ جناب کے مکان پر ٹھہرے تھے۔ وہاں سے نمازِ عصر کے لئے چل پڑے۔ مولانا بڑی مشکل سے ازدحام میں راستہ نکالتے ہوئے چلتے رہے۔ حرم شریف پہنچے تو جماعت تیار تھی اور ہمیں حرم سے باہر سڑکوں پر صفوں میں جگہ ملی۔ نماز کے بعد گھٹنوں کے درد سے نڈھال ہانپتے کانپتے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ گھٹنوں اور جوڑوں کے درد، حجاج کی دھکم پیل، اونچے نیچے ڈھلوانوں پر چڑھنا، اترنا مولانا کے لئے اب موسم حج کی یہ تکالیف ناقابل برداشت تھیں۔ یہ حالات تھے کہ ہم اندر حرم شریف میں داخل ہوئے۔ مولانا پر عجیب حالتِ جذب طاری ہوگئی اور شانِ دلربائی سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوکر مجھے کہا کہ آپ بھی آمین کہیں۔ فرمایا:

" یااللہ! آپ کومعلوم ہے کہ مجھے تیرے اس گھر سے کیسا تعلق ہے؟ مگر اب میں بالکل عاجز اور بے بس ہوگیا ہوں، میری حالت آپ دیکھ رہے ہیں، اب حج پر آنا میرے بس کی بات نہیں، آئندہ مجھے حج پر نہ لائیے دوسرے موقعوں پر حاضری دیا کروں گا۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۸۸)

صلوٰۃ اللیل کا اہتمام:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں:

" باوجود پیرانہ سالی کے ضعف اور گھٹنوں کے شدید درد کے مجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ جوانوں کو رشک آتا تھا، سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری جب دیکھو فجر سے دو ڈھائی گھنٹہ پہلے اپنے رب کے دربار میں حاضری دے رہے ہیں۔ کبھی گڑگڑا کر آہ وبکا

کے ساتھ ملک وملت کے لئے دعائیں ہو رہی ہیں تو کبھی ترنم اور خاص کیف وسوز سے تلاوتِ قرآن کریم جاری ہے۔ کتنے ہی بیمار ہوں لیکن کیا مجال کہ صلوٰۃ اللیل چھوٹ جائے، قیام اللیل میں کوئی کمی آجائے، مناجات باری تعالیٰ میں کوئی فرق پڑ جائے۔ صبح صادق سے پہلے ہی مسجدِ نبوی میں پہنچ جانا، نہایت ادب واحترام سے روضۂ اقدس پر حاضری دینا، روضة من رياض الجنة میں عبادت وتلاوت میں مشغول رہنا قابل دید تھا۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۸)

ذوقِ تلاوت قرآن:

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ مزید تحریر فرماتے ہیں:

" مقام ابراہیم پر دیکھئے تو کچھ اور ہی شان ہے۔ میزابِ رحمت کے نیچے بیٹھے ہیں تو معلوم ہوتا کہ آپ پر رحمتِ الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تلاوتِ کلام اللہ میں مشغول ہیں تو محسوس ہوتا کہ واقعی اپنے رب سے ہم کلام ہیں۔ اللہ اللہ! کیا غضب کا سوز تھا ان کی تلاوت میں، کیا عجیب کیف تھا ان کے دعاؤں کے مانگنے میں اور کیا لذت تھی ان کے سننے میں اور کیسا مزہ آتا تھا ان کے اشعار کے سننے میں۔

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اعتکاف کے دوران بندہ نے عرض کیا کہ آپ نفلوں میں مجھے اپنا مقتدی بنالیا کریں، میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تلاوت سے محظوظ ہوں۔ فرمایا اچھا، اس کے بعد سے صلوٰۃ اللیل میں آپ امام ہوتے اور میں مقتدی۔ سبحان اللہ! کیا درد تھا، کیسا سوز تھا ان کی آواز میں، دل چاہتا تھا کہ کبھی تلاوت ختم ہی نہ ہو۔ مجھے بچپن سے ہی اپنے شیخ قدس سرہ کی تلاوت

میں بہت لطف آتا تھا، آپ کچھ اس انداز اور سوز و درد سے تلاوت فرماتے تھے کہ مجھے آپ کی تلاوت سننے کا شوق پیدا ہوگیا تھا اور جی چاہتا تھا کہ خوب طویل قراءت ہو اور صرف قرآنِ کریم کی تلاوت سننے کے لئے میں ہمیشہ نمازِ جمعہ آپ کے پیچھے پڑھا کرتا تھا۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۹)

قرآن کا دو رکعت میں ختم:

حضرت مولانا قاری محمد رفیق صاحب، حضرت شیخ بنوریؒ کے شغفِ قرآن کے واقعات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ تحدیث بالنّعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ایک روز ایک قاری صاحب جو میرے دوست تھے، میری ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ رمضان شریف کے آخری ایام تھے۔ وہ بڑے نفیس طریقے سے قرآن پڑھتے تھے۔ میں نے کہا کہ بجائے وقت گذارنے کے چلو نفل پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ان قاری صاحب نے نفل کی نیت باندھ لی اور میں نے ان کی اقتداء کی۔ بس پھر تو کیا پوچھنا وہ تو پڑھتے چلے گئے اور میں لطف اٹھاتا چلا گیا اور ایکسپریس گاڑی کی طرح سورتوں کے اسٹیشنوں کو طے کرتے چلے گئے اور سحری سے پہلے پورے قرآن کریم کو دو رکعتوں میں ختم کرڈالا۔

ایک نشست میں چھبیس پاروں کی تلاوت:

فرمایا کرتے تھے کہ جب میں دیوبند میں طالبِ علم تھا تو ایک روز میں نے فجر کی نماز ایک چھوٹی سی کچی عمارت کی مسجد میں پڑھی جہاں جمعہ کی نماز

نہیں ہوتی تھی۔ نماز کے بعد میں نے اپنی چادر اس کچے فرش پر بچھا دی اور قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی۔ جمعہ کی نماز تک اسی ایک ہی نشست میں ایک ہی ہیئت پر ۲۶ پارے پڑھ لئے اور چونکہ جمعہ کی نماز کے لئے کسی دوسری مسجد میں جانا ناگزیر تھا اس لئے پورا نہ کرسکا ورنہ پورا قرآن ختم کرلیتا۔

تراویح کا معمول:

عام طور پر حضرتؒ کا تراویح میں تین پارے سننے کا معمول رہا، باوجود ضعف پیری کے اور گھٹنوں کی تکلیف کے آپ کھڑے کھڑے نماز پڑھتے البتہ جب تھکن اور درد حد سے بہت زیادہ بڑھ جاتے تو بقدرِ ضرورت چند لمحوں کے لئے بیٹھ بھی جاتے اور اس پر بھی فرماتے کہ بیٹھنے میں لطف نہیں آتا۔ گویا بزبان حال کہہ رہے ہوتے "افلا اکون عبدا شکوراً"۔

گریہ وزاری:

حضرتؒ آیت کریمہ ﴿و اذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق﴾ (۵:۸۳) کے صحیح معنوں میں مصداق تھے۔ جب بھی قرآن کریم سنتے آنکھیں بے ساختہ فوارے کی طرح بہ پڑتیں۔

اسی طرح تراویح میں بھی بہت گریہ فرماتے۔ کبھی کبھی یہ کیفیت بین الترویحات بھی رہتی اور فرماتے بڑی نعمت ہے قرآن اگر اس وقت کسی قاری صاحب یا حافظ صاحب پر نظر پڑتی جو شاید قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا ہوتا تو

اس سے ضرور قرآن پڑھواتے اور اس پر بھی قناعت نہ فرماتے بلکہ خود ائمہ حضرات سے بھی قرأت پڑھواتے اور مسلسل آنسو بہائے جاتے۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیال یار ہوجانا

سونے کا تاج:

الغرض حضرت مولانا بنوریؒ کو اگر عاشقِ قرآن کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمہ مرحومہ کو قرآن کریم حفظ یاد کروایا۔ وہ اپنے والد سے قریباً دو سال قبل اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملی۔ اللّٰھم اغفر لھما و ارحمھما و اسکنھما فی الجنة ۔اس موقع پر ایک بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ جب سیدہ فاطمہ مرحومہ کی والدہ محترمہ کا چند سال پہلے انتقال ہوا تو غالباً فاطمہ مرحومہ نے خواب میں ان کی زیارت اس طرح کی کہ وہ جنت میں ہیں اور ان کے سر پر سونے کا تاج ہے اور کیوں سونے کا تاج نہ ہو جبکہ سیدہ فاطمہ مرحومہ کا حفظ انہیں کی محنت کا ثمرہ تھا۔

خوش الحان مجوّد:

حضرت بنوریؒ خود بھی قاری تھے۔کہا جاتا ہے کہ ڈابھیل میں فجر کی نماز آپؒ ہی پڑھایا کرتے تھے۔شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے جلیل القدر علماء حضرت کے مقتدی ہوا کرتے تھے۔آپ بڑی خوش الحانی سے بغیر تکلف کے تلاوت فرماتے تھے۔جن حضرات کے پیچھے نماز پڑھنے کا

شرف حاصل ہے وہ اس بات پر اتفاق فرمائیں گے کہ بہت کم علماء کو اس طرح خوش آوازی سے تسلسل کے ساتھ تجوید و مخارج کی رعایت کرتے ہوئے سنا گیا ہے۔ بسا اوقات بڑے بڑے قراءؔ حضرات کی اصطلاح بھی فرماتے تھے۔آپ کو تلاوت میں تکلف اور نقل سے بڑی نفرت تھی۔اگر کسی قاری نے تکلف کیا یا نقل اتارنے کی کوشش کی تو فوراً تنبیہ فرماتے۔

کثرتِ استغفار:

کبھی کبھی ترویحوں کے بعد بڑے دردمندانہ انداز میں " لا الٰہ الا اللّٰہ نستغفر اللّٰہ نسئلک الجنۃ و نعوذبک من النار " پڑھتے اور حاضرین سے فرماتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ماہِ مبارک میں لا الٰہ اللّٰہ اور استغفار کی کثرت کی تلقین فرمائی ہے اور حصولِ جنت کی دعا کی کثرت اور آگ سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔اس کے بعد آپؒ لا الٰہ الا اللّٰہ نستغفر اللّٰہ پڑھتے چلے جاتے ، ایسے موقع پر حضرتؒ کی آنکھیں آنسو بہاتیں اور حضرتؒ کے چہرہ پر اداسی سی چھا جاتی۔"

(خصوصی نمبر، ص ۷۰۶)

انابت الی اللہ:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری لکھتے ہیں:

" مولانا بنوریؒ خدا طلبی کے جذبے سے کچھ ایسے سرشار ہوئے کہ آپ نے سیاست وغیرہ کے سارے مشاغل کو خیر باد کہہ کر ایک افغانی بزرگ شیر آغا کے پاس طریقہ نقشبندیہ کی مشقیں شروع کر دیں۔شیر آغا کابل کے

باشندے تھے اور نقشبندی سلسلے کے شیخ تھے۔ افغانستان کی حکومت سے ناراض ہوکر پشاور آ گئے تھے اور پشاور میں متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے مولانا کو مراقبہ کرنے کی تلقین کی، مراقبہ کرنے کے لئے مولانا پشاور میں عبدالغفور باچا صاحب کی قبر پر جاتے (جو خیبر روڈ پر شرقی تھانہ اور سیکریٹریٹ کے قریب ہے) اور سارا دن مراقبے میں گزار دیتے۔ ان دنوں میرا آنا جانا بھی مولانا کے پاس بہت کم ہوگیا تھا کیونکہ انہیں تنہائی پسند تھی اور کسی کے آنے جانے سے ناگواری ہوتی تھی۔ ایک عرصے کے بعد شیخ بنوریؒ نے مجھے بتایا کہ نقشبندی سلسلے میں قلب اور نفس کے لطیفے تو جلدی جلدی جاری ہوجاتے ہیں لیکن میرے ساتوں لطیفے جاری ہوگئے تھے۔ ان دنوں حضرت شیخ بنوریؒ پر عجیب وجد کی کیفیت طاری رہتی تھی اور ان کے ہر بُن مو سے انہیں ذکر کی آواز سنائی دیتی تھی۔" (خصوصی نمبر، ص۱۳۱)

احقر نے اپنے اساتذہ سے بارہا سنا ہے اور اکابرین بھی یہی کہتے ہیں نیز تصوف کی کتابیں بھی اس پر زور دیتی ہیں کہ انسان مردِ قال کے بجائے مردِ حال بن جائے۔

جملہ اوراق و کتب در نار کن
سینہ را از نور حق گلزار کن

حضرتِ شیخ بنوریؒ کو بھی یہ بلند مرتبہ اس لئے ملا کہ وہ مردِ حال بن گئے تھے۔ علمِ قال کی گتھیاں خود بخود سلجھتی گئیں ورنہ تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض حضرات علم و فضل میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں، دنیا ان کی علمی فضیلت کا اعتراف کرتی تھی لیکن

عبادت الٰہی کے معاملہ میں وہ حدِ درجہ سست، کمزور اور ناقص تھے۔ گویا اس کی اس کے دل میں کوئی خاص اہمیت ہی نہ تھی۔ وہ اسے غیر ضروری چیز سمجھتے تھے لیکن شیخ بنوریؒ کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر اور امتیاز یہی تھا کہ وہ ہر وقت احکامِ شریعت کی پیروی، عبادت و ریاضت میں منہمک اور رضائے الٰہی کے درپے رہتے تھے۔

کیفی مرحوم فرماتے ہیں .... ؎

بزم ہستی سے ہمیں اور تو کیا لینا ہے
ہاں مگر دل کے تڑپنے کا مزا لینا ہے
مدتوں ٹھوکریں کھائیں تو سمجھ میں آیا
اپنی ہستی کو مٹا تجھے پالینا ہے
دل میں اک جذبہ بےتاب اگر ہے موجود
منزل یار کو دو گام میں جالینا ہے

باب : ۷

زہد واستغناء، فیاضی وایثار اور جود وسخا

لوگ کردار کی باتیں کرتے ہیں جن کا کردار زبان کی نوک سے آگے نہیں بڑھتا۔ رب ذوالجلال نے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو سیرت وکردار کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ ایک شیر صفت، خوددار اور غیور انسان تھے۔ انہوں نے غربت، تنگی، عسرت اور سخت ناداری کے زمانہ میں بھی کبھی کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہ کیا۔ وہ اس شعر کی عملی تصویر تھے ....

کمال تشنگی میں جگر کا خون پی لے
کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہ کر

استغناء آپ کی طبیعت کا ایک خاصۂ خاص تھا اور آپ اس ارشادِ عالی کے مظہر تھے ﴿لا اسئلکم علیه مالاً ان اجری الا علی اللّٰه﴾ (۲۹:۱۱) کہ میں تم سے قطعاً کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو امراء، وزراء اور مال وزر سے تو کیا، عوام سے بھی استغناء تھا۔ آج جبکہ بعض کجرؤوں نے پیری مریدی، درس وتدریس اور خطابت وامامت کو ایک مستقل معاشی فن کی حیثیت دے کر لوگوں سے اموال اور نذرانے بٹورنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ استغناء بہت ہی دشوار امر

ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ کو مدرسہ کے معاونین کے بارے میں بھی اگر محسوس ہو جاتا کہ یہ ہمیں ممنون سمجھ کر دے رہے ہیں تو بلا توقف ان کی امداد مسترد کر دیتے تھے، چاہے کتنی خطیر رقم کیوں نہ ہو۔ ایسے موقع پر گویا شاہ غلام علی مجددی دہلوی کا شعر حال دل کا ترجمان ہوتا تھا...........

ما آبروئے فقر وقناعت نمے بریم

با بادشاہ بگو کہ روزی مقرر است

مجھے اللہ دے گا:

حضرت مولانا محمد اسلم شیخو پوری صاحب لکھتے ہیں:

" افریقہ کے کسی ملک کا ایک سرمایہ دار حاضر خدمت ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے اپنی امارت و فارغ البالی کا اظہار کیا اور سرمایہ دارانہ مزاج کے مطابق اپنے مال و زر کی کثرت اور کاروبار کی وسعت کا تذکرہ کیا اور پھر کہنے لگا "اس مدرسہ کو جتنا سرمایہ درکار ہو، میں دینے کے لئے تیار ہوں" اظہار ایثار خوب تھا مگر اس میں تعلّی اور تکبر کی جو بو تھی حضرتؒ کے مزاجِ لطیف پر گراں گذری۔ آپ نے اسے ایسا جواب دیا کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ ان "وارثان رسولؐ" کے سامنے ہمارے سیم و زر کی کوئی وقعت نہیں اور ہمارا مال و دولت ان کی نظر میں ریگِ صحرا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا" مجھے تمہارے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں، میرا اللہ مجھے دے گا۔"

(خصوصی نمبر، ص ۵۴۲)

باب : ۷

زہدواستغناء، فیاضی وایثاراور جودوسخا

لوگ کردار کی باتیں کرتے ہیں جن کا کردار زبان کی نوک سے آگے نہیں بڑھتا۔ رب ذوالجلال نے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو سیرت و کردار کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ ایک شیر صفت، خودداراور غیور انسان تھے۔ انہوں نے غربت، تنگی، عسرت اور سخت ناداری کے زمانہ میں بھی کبھی کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہ کیا۔ وہ اس شعر کی عملی تصویر تھے ....

کمال تشنگی میں جگر کا خون پی لے
کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہ کر

استغناء آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ خاص تھا اور آپ اس ارشادِ عالی کے مظہر تھے ﴿لا اسئلکم علیه مالاً ان اجری الا علی الله﴾ (۲۹:۱۱) کہ میں تم سے قطعاً کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو امراء، وزراء اور مال وزر سے تو کیا، عوام سے بھی استغناء تھا۔ آج جبکہ بعض کجرؤوں نے پیری مریدی، درس و تدریس اور خطابت و امامت کو ایک مستقل معاشی فن کی حیثیت دے کر لوگوں سے اموال اور نذرانے بٹورنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ استغناء بہت ہی دشوار امر

ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ کو مدرسہ کے معاونین کے بارے میں بھی اگر محسوس ہو جاتا کہ یہ ہمیں ممنون سمجھ کر دے رہے ہیں تو بلاتوقف ان کی امداد مسترد کر دیتے تھے، چاہے کتنی خطیر رقم کیوں نہ ہو۔ ایسے موقع پر گویا شاہ غلام علی مجددی دہلوی کا شعر حال دل کا ترجمان ہوتا تھا......... ؎

ما آبروئے فقر وقناعت نمے بریم

باپادشاہ بگو کہ روزی مقرر است

مجھے اللہ دے گا:

حضرت مولانا محمد اسلم شیخو پوری صاحب لکھتے ہیں:

" افریقہ کے کسی ملک کا ایک سرمایہ دار حاضر خدمت ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے اپنی امارت و فارغ البالی کا اظہار کیا اور سرمایہ دارانہ مزاج کے مطابق اپنے مال وزر کی کثرت اور کاروبار کی وسعت کا تذکرہ کیا اور پھر کہنے لگا "اس مدرسہ کو جتنا سرمایہ درکار ہو، میں دینے کے لئے تیار ہوں" اظہار ایثار خوب تھا مگر اس میں تعلّی اور تکبر کی جو بوتھی حضرتؒ کے مزاجِ لطیف پر گراں گذری۔ آپ نے اسے ایسا جواب دیا کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ ان "وارثان رسولؐ" کے سامنے ہمارے سیم وزر کی کوئی وقعت نہیں اور ہمارا مال و دولت ان کی نظر میں ریگِ صحرا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا" مجھے تمہارے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں، میرا اللہ مجھے دے گا۔"

(خصوصی نمبر، ص ۵۴۲)

سال بھر کا انتظام ہو چکا ہے:

حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہے وہ خود آ کر دے۔ یہ ضروری نہیں کہ مدرسہ کا آدمی ہی مدرسے کے لئے رقم لینے کے واسطے آئے۔ بعض مرتبہ تو زکوٰۃ دینے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا سال بھر کا انتظام ہو چکا ہے، آپ کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیں۔ بعض اوقات خود لیکر کسی دوسرے مدرسے کو دے دیتے تھے۔

غسالۂ مال:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری لکھتے ہیں:

" جب کوئی ذی ثروت صاحبِ خیر مدرسہ کو چندہ دینے آتا تو مولانا اس سے فرماتے کہ " مجھے زکوٰۃ کی ضرورت نہیں " یہ تو غسالۂ مال ہے جسے اگلی امتوں میں آگ آسمان سے اتر کر جلا دیا کرتی تھی، میرے مدرسے کے مدرسین کے لئے اگر کچھ دینا ہے تو غیر زکوٰۃ میں سے دو۔"

(خصوصی نمبر، ص ۴۲)

کچے دھاگے کا تعلق:

" تمام عمر آپ نے چندہ کی کوئی اپیل نہیں کی، نہ مدرسے کا کوئی سفیر تھا، نہ سالانہ جلسہ ہوتا تھا، نہ کبھی کسی بڑے دنیادار سیٹھ کی خوشامد کی، ہمیشہ فرماتے تھے کہ دنیا والوں کا علماء سے تعلق کچے دھاگے سے بندھا رہتا ہے، ذرا سی کوئی بات ان کے منشاء کے خلاف ہوئی اور فوراً تعلق ختم ہوا۔" (ایضاً، ص ۴۲)

پچاس ہزار روپے ٹھکرادیئے:

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب، حضرت شیخ بنوریؒ کے استغناء اور خودداری کا دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ بنوریؒ نے جب ٹنڈوالٰہ یار کے مدرسے سے تعلق ختم کرلیا اور ابھی تک نئے مدرسہ کے بارے میں فکرمند تھے کہ کراچی کے ایک صاحب ثروت اور مخیر انسان جناب سیٹھی محمد یوسف مرحوم نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ مدرسہ بنایئے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری کو بھی بلالیجئے، میں آپ دونوں حضرات کی پانچ سال کے لئے مشاہرہ کی رقم پچاس ہزار روپیہ (جب کرنسی کی قیمت بھی قیمت تھی) بنک میں جمع کرادیتا ہوں۔ حضرتؒ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ میں چندوجوہ کی بناپر مدرسہ شروع کرنے سے قبل کوئی امداد قبول کرنے سے معذور ہوں۔ ہاں مدرسہ بن جائے تو جو امداد فرمائیں گے، شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی۔ مرحوم جانتے تھے کہ حضرت شیخ بنوریؒ مدرسہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ دوسری طرف بے سروسامانی کا دور دورہ ہے۔ قرض سے گھر کا گزارہ چلارہے ہیں اس لئے انہوں نے حضرتؒ سے بے حد اصرار کیا مگر ان کے اصرار پر حضرت کے انکار میں بھی ترقی ہوتی گئی، بالآخر جناب یوسف صاحب مرحوم نے اپنے ساتھی سے پنجابی میں کہا" سن دائیں "یعنی حضرت میری بات سنتے ہی نہیں۔"

(خصوصی نمبر، ص ۲۲۲)

انہیں کیا معلوم تھا کہ ٹھکرانے والا کون ہے؟ وہ بظاہر فقیر بے نوا ہے مگر زہدو

استغناء اور قناعت واستقامت جیسے بے بہا خزانے کا مالک ہے۔ یہ وہ بے تاج بادشاہ ہے جو دلوں پر حکومت کرتا ہے اور مخلوق کے بجائے خالق پر اعتماد رکھتا ہے۔

ہمارا تم پر احسان ہے:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار فرماتے ہیں کہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ اپنے مدرسے کے لئے نہ حکومت سے مدد لیتے، نہ اوقاف سے، نہ ہی کسی اور سرکاری ادارہ سے۔ بھروسہ تھا تو صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر، وہی دلوں کا پھیرنے والا ہے، وہ دلوں کو اس طرح پھیر دیتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ لوگ پیسے دے رہے ہیں اور شیخ رحمہ اللہ استغناء سے واپس فرما رہے ہیں کہ ہمیں زکوٰۃ کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی کوئی پیسہ ہے، تمہارا ہم پر احسان نہیں کہ زکوٰۃ دے رہے ہو بلکہ ہمارا تم پر احسان ہے کہ ہم تمہارے پیسوں کو قبول کرتے ہیں اور صحیح جگہ پر لگاتے ہیں۔ کسی سے فرماتے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ اس وقت قبول کریں گے جب کہ اتنی ہی مقدار میں غیر زکوٰۃ کا پیسہ دو۔ جب وہ صاحب حامی بھر لیتے تب قبول فرمالیتے۔

(خصوصی نمبر، ص ۶۲)

بے سروسامانی میں جامعہ کا آغازِ کار:

حالانکہ جب حضرت شیخ بنوریؒ نے مدرسہ شروع کیا تو اسباب ووسائل کے حوالے سے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ جس عمارت میں مدرسہ قائم تھا اس عمارت کے گرد وپیش غلاظت کے ڈھیر تھے۔ عمارت کیا تھی بس مسجد کے شمالی جانب ایک حجرہ تھا جس پر ٹین کی چھت تھی۔ تنخواہ کا کوئی تصور تک نہ تھا۔ بے سروسامانی کا عالم تھا۔ تین مدرسین

جن میں خود حضرت شیخ بنوریؒ، حضرت مولانا نافع گل اور حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری نے تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو کچھ عرصے بعد حضرت مولانا نافع گل بھی واپس تشریف لے گئے۔ صرف حضرت بنوریؒ کے ساتھ حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری رہ گئے۔

موصوف مدرسہ کے ابتدائی دنوں کا نقشہ اور حضرت شیخ بنوریؒ کے زہدو استغناء کی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چھیچھڑے آ گئے:

"یہاں درس کو جاری ہوئے جب چار مہینے گزر گئے تو میں نے مولانا سے کہا کہ میری گزر بسر کھیتی باڑی پر ہے (مدرسہ میں تنخواہ کے لئے نہ رقم آئی نہ تنخواہ ملی، بس فی سبیل اللہ کام چل رہا تھا اور مولانا مرحوم کہیں سے قرض لے لوا کر اپنا اور اہل وعیال کا گزارہ چلاتے تھے) میری فصل کی کٹائی کے دن ہیں، آپ مجھے ایک ماہ کے لئے گھر جانے کی اجازت دیں تاکہ فصل سمیٹنے کا کچھ بندوبست کر آؤں۔ مولانا مرحوم نے ہنس کر فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ مدرسین کے لئے میری پاس کچھ رقم آئی ہے، ذرا انتظار کرو تاکہ تمہارے کرائے وغیرہ کا تو بندوبست ہو جائے۔ میں نے ہنسی میں کہا کہ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب آیا کرتے ہیں۔ ایک گھنٹے بعد مولانا مسکراتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: لو مولوی صاحب! چھیچھڑے آ گئے ہیں۔ کسی صاحب نے (غالباً حاجی وجیہ الدین مرحوم نے) مدرسہ کو ۶ سو روپے چندہ بھیج دیا تھا، یہ مدرسین کے فنڈ مین مدرسے کا پہلا چندہ تھا اس میں سے

انہوں نے مجھ کو بھی دو سو روپے دے دیئے۔ میں چھٹی پر گھر چلا آیا اور چھٹی گزار کر واپس چلا گیا۔ نیوٹاؤن کے زمانہ میں ایک سال بڑی تنگی اور عسرت کا گزارا، تاہم سال کے آخر تک مدرسے کی حالت (مالی طور پر) قدرے اچھی ہوگئی۔ " (خصوصی نمبر، ص۴۲)

اللہ نے دولت و دنیا کو حضرت شیخ بنوریؒ کی نظر میں ہیچ کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دولت و دنیا اور دراہم و دنانیر کو چھیچھڑوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ آپ کو دیکھ کر حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے میں اہل علم کا یہ مقولہ یاد آجاتا ہے کہ "کانت الدنانیر فی یدہ کانھا البعر"۔

جود وسخا:

دنیا و دولت کی آپ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ آپ سرمایہ دار، جاگیردار، دولت منداور متمول تو نہ تھے لیکن سخاوت و فیاضی آپ کے مزاج کا حصہ تھی۔ آپ کو دیکھ کر سیادت کا یقین آجاتا۔

جود وسخا آپ کی خاندانی عادت اور وراثت تھی۔ جود وسخا میں آپ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث تھے۔ آپ عطا و بخشش میں اس شعر کے مصداق تھے ....

فتی غیر محجوب الغنی عن صدیقه

ولا مظهر الشکویٰ اذا النعل زلت

(ترجمہ) وہ ایک ایسا نوجوان ہے، جس کی سخاوت اور جود وکرم اپنے ساتھی سے مخفی نہیں اور جب پاؤں پھسل جائے تو شکایت ظاہر نہیں کرتا۔

مجھے آپ کا جوڑا چاہیئے:

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار، حضرت شیخ بنوریؒ کی جود وسخا کا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ ایک مرتبہ صحیح بخاری کا درس دے کر گھر جارہے تھے کہ ایک خادم پیچھے ہو لئے۔ آہٹ پا کر مڑے، پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کیا کچھ بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے؟ کہا کہ بیٹھک میں بات کرنی ہے۔ فرمایا چلیئے۔ ساتھ لے گئے، تشریف فرما ہوکر استفسار فرمایا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا مجھے آپ کا ایک جوڑا چاہیئے۔ یہ سنا اور الماری سے دھلا جوڑا لا کر دینے لگے۔ انہوں نے کہا یہ نہیں، مجھے تو یہ جوڑا چاہیئے جو آپ پہنے ہوئے ہیں۔ نہایت شفقت سے فرمانے لگے اس کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ بس مجھے تو یہی چاہیئے۔ فرمایا: اچھا پرسوں آجایئے (جس دن وہی کپڑے جب اتارنے تھے) وہ حسبِ وعدہ آگئے تو پورا جوڑا ان کے حوالہ کردیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کو حاصل کرکے جو خوشی مجھے حاصل ہورہی تھی اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چند روز بعد نہ معلوم ان کو کیا سوجھا کہ انہوں نے عرض کیا کہ ایک دھلا ہوا جوڑا ابھی عنایت فرمادیجئے۔ چنانچہ شیخ قدس سرہ نے بلا کسی تامل کے وہ بھی عطا فرمادیا جو آج تک ان کے پاس اسی طرح محفوظ ہے۔ صرف ایک جوڑا کپڑے ہی کیا جب بھی کسی چیز کے بارے میں کسی شخص نے سوال کیا فوراً اس کو وہ چیز دے دی۔

غرضیکہ ہر موقع پر اور ہر جگہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتے رہے اور جب بھی

کسی نے ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا وہ کسی نہ کسی طریقہ سے اس کی مکافات فرمادیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔"

(خصوصی نمبر، ص ۱۷)

ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے:

حضرت شیخ بنوریؒ کا ایک اور واقعہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

" میرے ایک محترم دوست کراچی تشریف لائے، میں نے آنے کا سبب پوچھا تو بتایا کہ مدرسہ کے لئے کچھ زمین خرید لی تھی، اس کا کچھ قرض ہوگیا ہے، یہاں کچھ احباب سے ملیں گے۔ میں نے نمازِ عصر سے فراغت کے بعد مسجد میں حضرتؒ سے ان کا تعارف کرایا۔ کراچی آنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے بلا تکلف ان کا قصہ دہرادیا۔ بے ساختہ فرمایا:" کہ ایک ہزار روپیہ ہم دے دیں گے " اگلے دن صبح مجھے بلایا اور ہزار روپے میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:" رسید کی ضرورت نہیں، ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔"

(بینات، ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ)

فیاضی کا سمندر:

حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" ایک بار میں بیٹھا ہوا تھا، عصر سے پہلے دو صاحب حضرت شیخ بنوریؒ کا پوچھتے ہوئے آئے۔ میں نے کہا کیا کام ہے۔ کہنے لگے مکان بنوانا ہے، مولانا سے اعانت کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ تم لوگوں کو سوچنا چاہیئے۔

حضرت شیخ ؒ کے پاس کون سی دولت ہے جو وہ تمہیں مکان بنانے کے لئے دیں گے، تمہیں حضرت شیخ ؒ کو تنگ نہیں کرنا چاہیئے مگر وہ اپنی بات پر مصر رہے۔ اتنے میں حضرت شیخ ؒ بھی تشریف لے آئے اور صورتِ حال معلوم کر کے اپنی جیب سے کچھ رقم نکالی اور بڑی معذرت کے ساتھ ان کے حوالہ کردی۔ میں صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس طرح ایک دفعہ مولانا کے پاس دفتر میں بیٹھا ہوا تھا، اٹھ کر گھر جانے لگے تو صاحبزادہ محمد بنوری نے بتایا کہ فلاں صاحب اس لئے بیٹھے ہیں کہ ان کے یہاں میت ہوگئی ہے، تجہیز و تکفین کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ ؒ فوراً گھر تشریف لائے اور بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے سو روپے کا نوٹ صاحبزادہ صاحب کے حوالہ کیا کہ ان کو دے دو۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب سے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ حضرت کی سخاوت تو بجا مگر اتنی سی تحقیق کر لی جاتی کہ واقعی کوئی میّت ہوئی بھی ہے یا نہیں تو زیادہ اچھا ہوتا۔ اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرا بھی یہی ذوق ہے، میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ میں یہ سن کر خاموش ہوگیا۔ بہر حال اللہ والوں کی شان ہی الگ ہے۔"

(خصوصی نمبر، ص ۶۰۵)

فراستِ ایمانی و استغناء:

مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی رقم طراز ہیں:

" نمازِ عصر کے بعد حضرت الاستاذ علامہ بنوری نور اللہ مرقدہ کا عام معمول تھا کہ مسجد کے سامنے والے سبزہ زار میں تشریف رکھتے تھے اور روزانہ

کی یہ عمومی مجلس ہوا کرتی تھی، جس میں اساتذہ وطلبہ کے علاوہ شہری دوست بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ حسبِ معمول جمالِ یوسف کے حسنِ بے مثال کی ہر خاص وعام پر ضوفشانی ہو رہی تھی اور ہر کس وناکس اپنی استعداد وظرف کے مطابق فیضیاب ہو رہا تھا۔

اسی اثناء میں ایک شہری آدمی نفیس ترین بلوری گلاسوں سے بھری دو تین پیٹیاں لایا اور خدمتِ اقدس میں پیش کرنا چاہیں۔ خلافِ عادت حضرت والا نے کھولنے کا اشارہ فرمایا اور ایک گلاس نکال کر ملاحظہ فرمایا۔ بعد از ملاحظہ محسوس ومعلوم ہوا کہ اس میں غیر محسوس اور بظاہر غیر مرئی نقص ضرور ہے۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی ایسے ہی نکلا۔ پس کیا تھا لانے والے کی شامت آ گئی اور حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کا غصہ کے باعث رنگ لال پیلا ہو گیا اور فرمایا کہ ناقص وردّی اشیاء خدا کے نام اور طلبہ دینیہ کے لئے، خدارا! یہ کیا کر رہے ہو، خدا کی بارگاہ میں ردّی چیز، ہرگز نہیں، یہ ہم نہیں لیں گے اور انہیں واپس لے جانے کا کہہ دیا۔" (ماہنامہ القاسم، اکتوبر ۲۰۰۲ء)

طالبانِ علومِ نبوت کی مالی اعانت:

حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

" دورانِ طالب علمی ایک دفعہ درمیانِ سال موسم خزاں کے اوائل میں مدرسہ میں بخار کا مرض پھیلا اور ایسا طوفان بپا ہوا کہ کوئی طالب علم اس بخار سے محفوظ نہ رہا، شاید کوئی قسمت والا ہی بچا ہو، ورنہ عمومی طور سے سب طلبہ اس موذی مرض کا شکار ہونا شروع ہو گئے اور روزانہ ہر کمرہ میں کوئی نہ کوئی

غریب طالب علم اس مرض کی لپیٹ میں آ جاتا۔ غریب و نادار طلبہ علاج و معالجہ کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی دنوں تک انتہاء درجہ تیز بخار اور بعض بخار شدید کے ساتھ مرض اسہال میں مبتلا رہتے اور اپنے اپنے کمروں میں بے کسی کی حالت میں پڑے پڑے تڑپتے رہتے اور کوئی پرسانِ حال نہ ہوتا۔ ان شدید ترین حالات میں فقط اور فقط حضرت بنوریؒ کی ذات گرامی طلبہ کی تسلی اور اطمینان کا موجب بنتی۔ حضرتؒ کی شفقت، رحمتِ خداوندی کا مظہر بن کر بیمار طلبہ کے لئے سہارا ہوتی۔ حضرتؒ کبھی تو بنفس نفیس اسباق سے فراغت کے بعد کمروں میں جا کر طلبہ کی عیادت کرتے اور علاج کے لئے کچھ رقم عنایت فرماتے اور کبھی کسی طالبِ علم کو بھیج کر بیمار طلبہ کے حالات معلوم کراتے اور علاج کی رقم کا بندوبست فرما کر کسی طالب کے ذریعہ خفیہ طور سے رقم تقسیم کراتے اور کسی دوسرے کو بالکل اس کی اطلاع نہ ہوتی۔

چنانچہ ایک دو دفعہ ایسے خفیہ طریقہ سے رقم کی تقسیم حضرتؒ نے راقم الحروف کے ذریعہ بھی کروائی، نہ معلوم اور کتنے طلبہ سے حضرتؒ نے یہ خدمت لی ہوگی اس لئے کہ یہ طریقہ بالکل خفیہ تقسیم کا طریقہ تھا اور طلبہ بھی ایک دوسرے کے سامنے اس کا ذکر کرنے سے احتراز کرتے کیونکہ حضرت قدس سرہ کا منشا یہی ہوتا تھا۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۳۳)

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ "علماء کی ذمہ داریاں" کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

" آج کل ہمارے علماء کا کام صرف پڑھنا، پڑھانا، مسئلہ بتانا اور فتویٰ

لکھنا سمجھا جاتا ہے لیکن اب وہ وقت ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے پچھلے سبق کو دہرائیں۔ ان کا کام صرف علم ونظر تک محدود نہیں بلکہ عمل و جد و جہد اور علمی خدمت بھی ان کے منصب کا ایک بہت بڑا فرض ہے۔ ہر آبادی (جہاں وہ رہیں) وہ ان کی خدمت وکوشش سے آباد رہے۔ وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا، وہاں کے نادانوں کو سمجھانا، وہاں کے غریبوں کی مدد کرنا، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا، وہاں کے معذوروں کی خدمت کرنا بھی ایک عالمِ دین کے فرائض میں سے ہیں۔" (تعمیر حیات، ستمبر ۱۹۸۱ء)

"سوانح" احقر کا پسندیدہ مطالعاتی موضوع ہے۔ ابتدائے شعور سے اب تک خدا کا فضل ہے بہت سے سوانح سے مطالعہ و استفادہ کیا ہے۔ سب میں یہ چیز قدر مشترک پائی ہے کہ شرح صدر کی دولت اور ایمان و یقین کی حقیقت جس کو بھی نصیب ہوئی ہے، سخاوت وایثار بطورِ نتیجہ اس کا ترجیحی عمل رہا ہے۔ جس کو بھی اس حقیقی دولت کا حصہ ملتا ہے سخاوت و فیاضی اس کا شعار بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جب حضرت شیخ بنوریؒ کو دیکھا تو اپنے معاصرین سے ممتاز پایا۔ وہ فیاضی وایثار کی بلندیوں پر فائز تھے اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی ان کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ بلا امتیاز و بلا استثناء سب کی خدمت ان کا عزیز ترین شغل تھا۔

باب : ۸

ایقان وتوکل، تقویٰ اور خشیتِ الٰہی

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ سفر دو ہیں، ایک شخص کا، ایک مقصد کا۔ اشخاص کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنا کام کیئے جائیں یہاں تک کہ اپنے آپ کو مقصد کے لئے قربان کردیں۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو مقصد کے لئے قربان کردیا تو ان کا سفر منزلِ مقصود تک پہنچ گیا اور کامیاب ہوگئے۔ اب ان کے لئے یہ سوال باقی نہیں رہتا کہ مقصود حاصل ہوا یا نہیں۔ اس سفر میں سفر سے نہ تھکنا اور آخر تک چلتے رہنا ہی سب سے بڑا مقصود ہے۔ اس لئے جس مسافر نے اس مقصود کو پالیا اس نے اپنا کام پورا کردیا۔ یہاں راہ اور منزل دو نہیں، ایک ہی ہیں۔

رہ رواں را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است

باقی رہا مقصد کا سفر تو بلاشبہ اس کی کامیابی یہ ہے کہ مقصد حاصل ہوجائے لیکن یہ انسان کا کام نہیں ہے جو بیج بوتا ہے بلکہ اس خدا کا کام ہے جو سورج چمکاتا ہے اور بدلیاں بھیجتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ اگر راہ روانِ مقصد کامیابی کے ساتھ اپنا سفر کرتے رہے تو مقصد کا سفر بھی ایک دن پورا ہوکر رہے گا۔ مقصد کے سفر کے لئے انسان

جمالِ یوسفؒ

اپنے تمام کاموں میں مخلوق کے سہارے پر نہیں بلکہ خالق کے سہارے پر کام اور اعتماد کرنا ہے۔ راستہ کتنا ہی تاریک کیوں نہ ہو وہ چراغِ توکل ہاتھ میں پکڑے اس سے بعافیت گذر جاتا ہے لیکن توکل اس چیز کا نام نہیں کہ انسان اپنے ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ......ے

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: توکل یہ ہے کہ تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرلے۔

حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ ان خوش نصیب انسانوں میں سے تھے جنہیں اللہ نے ایقان وتوکل کی عظیم دولت سے نوازا۔ حضرت شیخ بنوریؒ کے افکار و کردار میں ایقان وتوکل کو جوہری وصف کی حیثیت حاصل تھی۔ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن جو آج ملک کی بڑی اسلامی یونیورسٹی میں شمار ہوتا ہے، دراصل حضرت شیخ بنوریؒ کے ایقان وتوکل کا نتیجہ اور ثمرہ ہی تو ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ کی تمام تر زندگی اسی توکل و اعتماد علی اللہ کا مظہر تھی۔

مدرسہ اللہ تعالیٰ کا ہے:

فرمایا کرتے تھے کہ:

" اللہ کا کام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اسی طرح چلاتا ہے اور اسی طرح چلاتا رہے گا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی نیت خالص کرلیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی اخلاص سے

اس مدرسہ کی خدمت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیں گے اور آخرت میں بھی۔ حقیقت یہی ہے کہ من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ ہمارے شیخ قدس سرہ، اللہ کے ہو گئے تھے، اللہ ان کا ہو گیا تھا اور سارے کام اس طرح چل رہے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔"

(خصوصی نمبر، ص ۶۳)

حیلۂ تملیک:

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب، حضرت شیخ بنوریؒ کا زکوٰۃ کے مال بارے میں معمول بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" عموماً زکوٰۃ کی رقم ایک سال کے مصارف زکوٰۃ سے زیادہ زکوٰۃ فنڈ میں جمع نہ ہونے دیتے۔ اگر سال بھر کے مصارف زکوٰۃ کے بقدر ضرورت موجود ہوتے تو عموماً واپس کر دیتے اور دینے والے اصرار کرتے اور کہتے آپ لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیجئے، تو حضرت فرماتے کہ یہ کام تم خود کرو، مجھے کیوں درمیان میں ڈالتے ہو اور کبھی لے کر کسی ایسے مدرسہ کو دے دیتے جن کے ارباب اہتمام کے متعلق آپ کو ذاتی طور پر علم ہوتا کہ وہ زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے میں احتیاط برتتے ہیں۔ اس طرح متعدد مدرسوں کو آپ کے واسطہ سے ہزاروں روپے بمد زکوٰۃ ہر سال پہنچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کی پوری تاریخ میں کبھی حضرتؒ نے حیلۂ تملیک نہیں فرمایا حالانکہ فقہی اعتبار سے اگرچہ صحیح حیلہ تملیک کے جواز میں کوئی شک نہیں مگر حضرتؒ کا ذوق ہمیشہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ اس لئے یوم تاسیس سے لے کر یوم وفات تک ایک مرتبہ بھی

آپ نے زکوٰۃ کی رقم حیلہ تملیک کے ذریعہ غیر زکوٰۃ کی مد میں صرف نہیں کی۔ فرمایا کرتے تھے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف زکوٰۃ کے مصارف میں ہی خرچ ہونی چاہیئے، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، غیر زکوٰۃ کے مصارف کے لئے عطیات اور غیر زکوٰۃ کی امدادی رقوم آنی ضروری ہیں۔ اس اصول پر کاربند رہنا آسان کام نہ تھا، خصوصاً ابتدائی دور میں مگر حضرتؒ جیسی متوکل اور اولوالعزم ہستی نے روزِ اول سے لے کر آخر تک اس اصول کو اپنائے رکھا اور کبھی اس سے انحراف نہیں فرمایا۔ نیز حضرتؒ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے اساتذہ اور ملازمین کو اللہ تعالیٰ کے اس احسان وانعام کی قدر کرنی چاہیئے کہ ان کو حق الخدمت کے عوض میں غیر زکوٰۃ کا پاکیزہ مال ملتا ہے۔ وہ بھی ایسے مخلصین کی طرف سے جو اپنا نام تک ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے اور "لا تعلم شماله ما تنفق يمينه" یعنی (دائیں ہاتھ کے انفاق کا بائیں ہاتھ کو علم تک نہیں ہوتا) کا مصداق ہیں۔"

توکل کا ثمرہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ کے اخلاص اور توکل علی اللہ کی برکت سے اللہ پاک اپنے خزانۂ غیب سے مدرسہ کی امداد فرماتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی امداد کا جذبہ اور شوق پیدا فرمادیتے تھے اور احباب و مخلصین بنفسِ نفیس نہایت اخلاص و ذوق وشوق کے ساتھ پوشیدہ طور پر نام و نمود اور شہرت کی خواہش کے بغیر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عطیات پیش کرتے تھے اور بتاکید عرض کرتے تھے کہ ہمارا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ بہت

سے اللہ کے بندے ایسے تھے جو کہ اس سے پہلے مولاناؒ کو جانتے بھی نہ تھے مگر خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے کہ ہمیں خواب میں یہ حکم ملا ہے کہ جاؤ مدرسہ کی امداد کرو اور جو رقم لاتے تھے پیش کر دیتے اور ایسے خواب حضرت مولاناؒ سے محبت وعقیدت کا سبب بنے اور اس کے بعد بڑی بڑی رقمیں مدرسہ کی امداد کے لئے پیش کیں اور نام تک ظاہر کرنے کو گوارا نہیں کیا۔"

غیبی مدد:

"ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ غیر ملکی طلباء کی ضروریات کے پیش نظر فوری طور سے وسطانی حصہ کی دوسری منزل کے دارالاقامہ کا مسئلہ درپیش تھا اور تعمیری فنڈ میں رقم موجود نہ تھی اور لاگت کا تخمینہ پونے تین لاکھ تھا۔ اسی دوران حضرت شیخ بنوریؒ کے احباب میں سے ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے، ان کے ساتھ ایک اور اجنبی بھی تھے۔ باتوں باتوں میں تذکرہ ہوا، دوسرے روز وہ اجنبی صاحب صبح صبح دولت کدہ پر تشریف لاتے ہیں، دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ حضرت شیخ کے صاحبزادے دروازے پر جا کر دیکھتے ہیں اور آ کر بتاتے ہیں کہ ایک غریب قسم کا آدمی کھڑا ہے اور ملنا چاہتا ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے اندر آنے کے لئے فرمایا تو ان صاحب نے پتلون کی جیب میں سے نکال کر پینسٹھ ہزار روپیہ تعمیری فنڈ میں دیا اور دوسرے روز مزید رقم لانے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ دوسرے روز سوا دو لاکھ کی رقم خدمت میں پیش کی اور اس طرح دارالاقامہ کی تعمیر کی فوری ضرورت اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی۔"

اللہ تعالیٰ نے سامانِ آسائش پہنچادیا:

" ابتدائی دور میں عصر کے بعد حضرت مولاناؒ کی خدمت میں اساتذہ و احباب ملاقات کے لئے آتے تو آپ کے ہمراہ باہر چارپائیوں پر ہی بیٹھتے تھے۔ بسا اوقات چارپائیاں ناکافی ہوتیں، یہ صورتِ حال دیکھ کر ایک صاحبِ خیر نے دو تین بینچیں مدرسہ کے لئے بنوائیں۔ اسی زمانہ میں واقعہ یہ ہوا کہ حکومتِ کویت نے عربی زبان سکھانے کے لئے اس علاقہ میں ایک عربی سکول قائم کیا تھا، بعد میں اس عربی مدرسہ کو چنداں مفید و مثمر نہ ہونے کے باعث بند کر دیا گیا۔ اسکول کے ارباب اہتمام اور حکومت کویت کے نمائندوں کے سامنے اس اسکول کا سامان یعنی ڈیسکوں، صوفوں، کرسیوں اور پنکھوں وغیرہ کا مسئلہ درپیش تھا، اس شش و پنج میں وہ حضرات، حضرت مولاناؒ سے ملاقات کے لئے مدرسہ میں تشریف لائے۔ مدرسہ دیکھا بہت خوش ہوئے۔ ایک حجرہ میں جہاں آپ تشریف فرما تھے ان حضرات سے ملاقات کی اور انہی بینچوں پر ان کو بٹھایا۔

گرمی کا زمانہ تھا، حجرہ میں پنکھا بھی نہ تھا۔ ان حضرات نے مدرسہ کی کارکردگی اور مستقبل میں حضرت مولاناؒ کے عزائم سن کر بے ساختہ بند شدہ سکول کے سامان کو مدرسہ کے لئے دینے کی پیش کش کی۔

حضرت مولاناؒ نے اس کو غیبی امداد سمجھ کر قبول فرمایا اور اس طرح مدرسہ کو کثیر تعداد میں کرسیاں، ڈیسک، درسگاہوں کے لئے بجلی کے پنکھے، دفتر کے لئے صوفے اللہ پاک نے پہنچادیئے۔ یہ پہلا سامان آسائش ورفاہیت تھا جو

مدرسہ کو میسر آیا۔ اس کے بعد یہ دروازہ کھل گیا اور حضرت مولاناؒ کے خوشحال احباب آتے اور جس چیز کی کمی محسوس کرتے اسی کو مہیا کر دیتے۔ اسی طرح کتب خانہ اور دار التصنیف کی تمام قیمتی اور شاندار الماریاں، پنکھے اور گھنٹے دار الحدیث کے عظیم الشان ہال کا فرش، بجلی کے پنکھے اللہ پاک نے مدرسہ کو عطا فرمائے۔

سرمایہ سعادت:

اسی صورتحال کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ دفتر مدرسہ میں پنکھے نہ لگے تھے، گرمی کا موسم تھا۔ ایک دن دفتر میں آپ تشریف فرما تھے، حاجی یعقوب صاحب مرحوم مدرسہ کے خازن بھی کسی کام سے آئے۔ یہ دیکھ کر کہ دفتر میں پنکھا نہیں ہے، کہنے لگے کہ غیر زکوٰۃ فنڈ سے دفتر کے لئے بھی ایک پنکھا خرید لیا جائے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا: حاجی صاحب! نصف رقم میں اپنی جیب سے دیتا ہوں اور نصف آپ دیں دفتر کے لئے پنکھا آ جائے گا۔

مطلب یہ تھا کہ ہمارے اصول کے مطابق اسی نام سے جب تک رقم نہ آئے، پنکھا نہیں آ سکتا۔ اتفاق سے اس وقت مولاناؒ کے ایک مخلص دوست بھی موجود تھے، انہوں نے موقع دیکھ کر عرض کیا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے کی اجازت دیجئے کہ پنکھا دفتر کے لئے خرید لاؤں۔ اس طرح کے صدہا واقعات ہیں کہ حضرت مولاناؒ سے واقف احباب خود آ کر مختلف ضروریات کے نہ ہونے کا احساس کرتے اور اسے مہیا کرتے اور اس کو اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتے تھے۔" (خصوصی نمبر، ص ۲۲۷، ۲۲۸)

حصولِ معاش کا تصوّر:

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن راوی ہیں کہ:

" ایک مرتبہ چیف ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف مسعود صاحب مدرسہ میں تشریف لائے اور اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ طلبہ کو کوئی ہنر بھی سکھایا جانا چاہئے۔ تو اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ ہم تو اس حصول معاش کے تصور ہی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور ہم تو چاہتے ہیں کہ طالبِ علم صرف اللہ تعالیٰ کے دین کا سپاہی بنے، اس کے سوا زندگی کا کوئی مقصد اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین واعتماد ہو کہ معاش کی فکر کے بغیر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرے۔" (خصوصی نمبر، ص ۲۳۴)

دولتِ یقین:

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت اور قدرت پر بے پناہ یقین رکھتے تھے۔ اس یقین میں اس قدر پختگی اور قوت تھی کہ ان کے پاس بیٹھنے والا اور ان کی باتیں سننے والا ان کی مجلس سے "یقین" کی دولت کا کچھ نہ کچھ حصہ لے کر ضرور اٹھتا تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجازِ صحبت حضرت بابا نجم الحسنؒ صاحب (جن کی خدمت میں مولانا بنوریؒ ایک مرتبہ میرے ہمراہ تشریف لے گئے تھے) فرماتے تھے کہ ہم مسلمانوں میں یقین کی کمی ہوگئی ہے اس لئے ہمارے سارے کام ناقص ہوتے ہیں۔ مولانا بنوریؒ قرآن وحدیث کے حوالوں سے اس دولتِ یقین اور اس کے ابدی

ثمرات کا اس طرح نقشہ کھینچتے تھے کہ سننے والا مبہوت رہ جاتا تھا۔"

(خصوصی نمبر،ص۴۵۱)

توحید وتوکل:

خیر المدارس ملتان کے مفتی جناب حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب لکھتے ہیں کہ:

" ایک مرتبہ مدرسہ خیر المدارس میں تشریف آوری ہوئی ،بعض حضرات اساتذہ بھی مجلس میں موجود تھے ، چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد بعض منتظمین نے کتاب الرائے حضرت اقدسؒ کے سامنے پیش کی تاکہ حضرت مدرسہ کے بارے میں کچھ تحریر فرمادیں ۔ حضرت قدس سرہ نے بے ساختہ ارشاد فرمایا:" چھوڑو مولوی صاحب !اس شرک کو، کس کو دکھاؤ گے، کیا رکھا ہے لوگوں کے پاس ؟ حق تعالیٰ جتنا چاہیں گے دیں گے، کسی کو دکھانے سے کیا ہوتا ہے، ہمارے مدرسہ میں بڑے بڑے آتے ہیں ، ہم نے کسی سے نہیں لکھوایا، جامعہ ازہر کے ڈائریکٹر آئے ،سفیر آئے ۔سبحان اللہ! توحید وتوکل کی کیا شان ہے۔" (خصوصی نمبر،ص۴۹۳)

زکوٰۃ ہمیں ضرورت نہیں:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ:

" ایک صاحب نے کئی ہزار روپیہ حضرت کو زکوٰۃ کی مد میں پیش کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ تو ہم صرف مستحق طلبہ پر خرچ کرتے ہیں ۔ مدرسہ کے دیگر اخراجات میں زکوٰۃ صرف نہیں ہوتی اس لئے عطیات کی ضرورت

ہوتی ہے۔ چونکہ طلباء کی ضرورت کے بقدر رقم جمع ہو چکی ہے اس لئے اگر دینا ہے تو زکوٰۃ نہ دیجئے، عطیہ دیجئے۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ اس کی گنجائش نہیں۔ فرمایا پھر زکوٰۃ ہمیں ضرورت نہیں۔ بولے یہ روپیہ آئندہ سال طلبہ کے کام آجائے گا۔ فرمایا آئندہ سال آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا خرچ بھی بھیج دیں گے۔" (خصوصی نمبر، ص ۸۱۰)

تقویٰ وخشیتِ الٰہی:

تقویٰ دل ودماغ اور ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ تقویٰ ایسا جامع لفظ ہے جو تمام احکامِ شریعت کی بجاآوری اور معاصی سے پرہیز کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اسلام ایک انسان میں جس نوعیت کا کردار وعمل پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی مکمل تصویر لفظِ تقویٰ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اسلام کے دشوار گزار راستوں پر اس احتیاط واہتمام کے ساتھ گزرنے کا نام ہے کہ زندگی کا لباس اللہ کی نافرمانی کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائے۔ جملہ احکاماتِ الٰہیہ اور عبادات سے مقصود تقویٰ ہے۔ تقویٰ رضائے الٰہی کے حصول کا زینہ اور ذریعہ ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ عرفی عبادات سے زیادہ معاملات ومعاشرت میں متقی تھے۔ خصوصاً مدرسہ کے معاملات میں حدِ درجہ احتیاط کا مظاہرہ فرماتے۔

دوزخ کا ایندھن نہیں بننا چاہتا:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری فرماتے ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ کے تقویٰ اور خدا ترسی کا یہ حال تھا کہ زکوٰۃ فنڈ صرف طلباء کے لئے رکھتے تھے، اس کو کبھی کسی حالت میں مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیرات یا کتابوں کی خرید پر صرف نہیں کرتے تھے۔ دوسرے سال مدرسہ کی حالت زکوٰۃ فنڈ میں قابل اطمینان ہوگئی، ایک دفعہ زکوٰۃ فنڈ میں ۲۵ ہزار روپیہ جمع تھا مگر غیر زکوٰۃ کی مد خالی تھی۔ جب تنخواہ دینے کا وقت آیا تو خزانچی حاجی یعقوب صاحب نے کہا کہ مدرسین کی تنخواہ کے لئے کچھ نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو زکوٰۃ فنڈ میں سے قرض لیکر مدرسین کی تنخواہ ادا کردی جائے، بعد میں زکوٰۃ فنڈ میں یہ رقم لوٹادی جائے گی۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، میں مدرسین کی آسائش کی خاطر دوزخ کا ایندھن بننا نہیں چاہتا۔ مدرسین کو صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے کہ ان کے فنڈ میں اللہ تعالیٰ کچھ بھیج دے۔ جو مدرس صبر نہیں کرسکتا اس کو اختیار ہے کہ مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے۔"

(خصوصی نمبر، ص۴۲)

مالی امور میں حزم واحتیاط:

" ایک موقع پر غلطی سے زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کے خازن نے حضرت شیخ بنوریؒ کے علم میں لائے بغیر کچھ رقم قرض لے کر مشاہرات میں لگادی۔ حضرتؒ کے علم میں جب یہ بات آئی تو انتہائی غصہ اور جلال میں خازن سے فرمایا: اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں، آپ کو جہنم میں جانا پڑے گا اور جلد از جلد اس غلطی کی تلافی اور تدارک کا حکم فرمایا۔ فرمایا: جب تک یہ رقم ادا نہ کردی جائے میں اس وقت تک تنخواہ نہیں لوں گا۔" (خصوصی نمبر، ص۲۲۳)

زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں:

" ایک بار ایسا ہوا کہ مدرسہ کے خزانہ میں مشاہرات کی مد میں کچھ نہیں تھا مگر زکوٰۃ فنڈ میں رقم موجود تھی۔ حضرت شیخ بنوریؒ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا جب تک مشاہرہ کی مد میں رقم نہیں آئے گی، مدرسین کو تنخواہ نہیں ملے گی۔ جناب حاجی محمد صدیق صاحب میمن صدر انجمن جامع مسجد نیوٹاؤن بھی موجود تھے، وہ بولے مولانا! کیا زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا: زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں۔ پھر فرمایا: کیا زکوٰۃ سے تم اپنے ملازموں کو تنخواہ دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر مدرسہ کے ملازمین کی تنخواہیں زکوٰۃ سے کیسے دی جا سکتی ہیں؟ یہ سن کر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پانچ ہزار روپے کی رقم لا کر خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ یہ زکوٰۃ کے پیسے نہیں ہیں، آپ تنخواہ دے دیجئے۔" (خصوصی نمبر، ص۲۲۴)

ورنہ مدرسہ بند کر دیں گے:

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے جس کے لئے مدرسہ قائم کیا ہے اس کو سب کچھ معلوم ہے، وہ خود ہی جب چاہے گا جس طرح چاہے گا، اسباب ووسائل پیدا فرمائے گا۔ ہم تو صحیح کام کرنے کے مکلف ہیں۔ اگر صحیح طریق پر مدرسہ نہ چلا سکیں گے تو بند کر دیں گے۔ ہم کوئی دین کے ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ صحیح یا غیر صحیح، جائز یا ناجائز جس طرح بھی ممکن ہو، مدرسہ جاری رکھیں۔ ہم تو غیر صحیح اور ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی بہ نسبت مدرسہ کو بند

کردینا بہتر بلکہ آخرت کی مسئولیت کے اعتبار سے ضروری سمجھتے ہیں۔

انوکھا اصول:

" ایک اور عجیب اصول یہ بھی تھا کہ مدرسہ کے مالیاتی فنڈ میں مہمانوں کے لئے کوئی کھاتہ نہ تھا، مہمانوں کے مصارف حضرتؒ خود ادا فرماتے اور اسی طرح ڈاک کا خرچہ بھی کبھی مدرسہ سے نہیں لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے یہ سب راستے بند کردیئے ہیں۔

اسی طرح متفرقات اور آمد ورفت کی بھی کوئی مد نہ تھی، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا ایک پیسہ بھی ان مدّات میں خرچ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان ناموں سے مدرسہ میں کوئی مد ہی نہیں تھی۔

کرایہ آمد و رفت کی سبیل یہ نکال رکھی تھی کہ جب بھی مدرسہ کی کسی ضرورت سے کہیں جانا ہوتا تو اپنا کوئی نہ کوئی ذاتی کام اسی کے ذیل میں نکال لیتے اور اپنے کام کو اصلی اور مدرسہ کے کام کو ضمنی بنا کر اپنی جیبِ خاص سے کرایہ ادا کرتے۔ اسی لئے حضرتؒ والا نے مدرسہ کی کوئی کار نہیں خریدی کہ کار کی قیمت، پٹرول کی قیمت، ڈرائیور کی تنخواہ وغیرہ کا بار مدرسہ پر پڑے گا اور اپنے یا دوسروں کے استعمال میں بے احتیاطی ہونا ناگزیر ہے، اس سے بچنا ناممکن ہے، حالانکہ اگر حضرتؒ چاہتے تو ایک اشارہ پر بیسیوں گاڑیاں مدرسے کے لئے مفت مل سکتی تھیں۔

مفت گاڑی اور مفت ڈرائیور:

بعض مخلصین نے مدرسہ کے لئے گاڑی دینے کی پیش کش کی تو حضرت

مولاناؒ نے منظور نہیں فرمایا۔ بسا اوقات بعض احباب اصرار کرتے اور مختلف عنوانات سے اس کی ضرورت اور اہمیت ثابت کرتے تو حضرت مولاناؒ ہنس کر فرماتے یہ جتنی ٹیکسیاں بازاروں میں چل رہی ہیں اور ہر وقت مہیا ہیں، ہماری ہی تو ہیں۔ جب چاہو بلا لو ٹیکسی حاضر ہے۔ پھر ہمیں مدرسہ کے لئے گاڑی خرید کر آخرت کی مسئولیت اپنے ذمہ لینے کی کیا ضرورت ہے، ہم تو چاہتے ہیں کہ گاڑی بھی مفت ملے اور ڈرائیور بھی مفت ملے۔"

(خصوصی نمبر، ص ۲۳۰)

مدرسہ کے کاغذات:

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب لکھتے ہیں کہ:

" ایک دفعہ ایک صاحب دفتر میں حضرت شیخ بنوریؒ کے ساتھ بیٹھے تھے، انہوں نے سامنے رکھے ہوئے سفید کاغذات میں سے اٹھا کر کچھ لکھنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کاغذات مدرسہ کے ہیں، ان کو کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا صحیح نہیں۔"　　(خصوصی نمبر، ص ۴۵۶)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ پر اکثر خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ خدا کی ذات بے نیاز ہے، اس کو کسی کی عبادت اور اطاعت کی پروا نہیں۔

جس بندے پر اللہ کی قدرت وعظمت اور کبریائی و مشکل کشائی منکشف ہو جاتی ہے وہ اہل دنیا اور ان کے مال و دولت اور ذاتی مفاد و منفعت سے جب اپنی امید قطع کر لیتا ہے تو اس کی نگاہ میں ثروت، مالی مفاد اور دنیا و دولت کا کوئی ترجیحی اثر ہی نہیں

رہتا۔ وہ تقویٰ کے بلند ترین مقامات پر فائز ہو جاتا ہے۔ فتویٰ ہزار راہیں بتائے مگر تقویٰ کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا اور بڑے بڑے اہل جاہ اور ارباب حکومت اس کو مور، مگس کی طرح معلوم ہوتے ہیں ....

جا: اے خیالِ غیر کہ فرصت نہیں یہاں
ہیں جلوہ نگار کی مہمانیوں میں ہم

باب : ۹

اخلاص وللّٰہیت، بے نفسی اور فنائیت

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی سیرت کا پہلا عنصر بلکہ جوہر سیرت، اخلاص وللّٰہیت، بے نفسی وفنائیت، تواضع اور طبعی انکسار تھا۔ تواضع ان کی فطرت تھی۔ آدمیت اور انسانیت اسی کا نام ہے کہ انسان اپنی طرف سے بڑائی اور استعلاء کا خواہاں نہ ہو بلکہ تواضع اختیار کرے۔ من تواضع للّٰہ رفع اللّٰہ۔

پستی سے سربلند، سربلندی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب وفراز ہیں

تواضع کا خاصہ ہے رفعت اور عظمت۔ جو جتنا رفیع المرتبہ ہوگا اتنا ہی متواضع ہوگا۔ خود محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تو اپنے لئے کسی امتیازی جگہ کو پسند نہ فرماتے۔ فرماتے ہیں ایسے ہی کھایا کرتا ہوں جیسے غلام کھایا کرتا ہے۔

حضرت شیخ بنوریؒ اخلاص وتواضع کا پیکر اور نمونہ تھے۔ آپ کے محبین ومخلصین آپ کی ہر ادا کو خوشبو کی طرح محسوس کرلیا کرتے تھے۔ جس کے پیش نظر آپ زندگی کے

ہر موڑ پر داد و تحسین سے بے نیاز، ستائش کی تمنا سے بے پروا، خالصۃً اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہر کام کرتے۔

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمین پست نے کیا کیا سماں پیدا کئے

حضرت شیخ بنوریؒ کی پوری زندگی تواضع اور فنائیت میں گزری۔ نام و نمود اور شہرت سے بہت متنفر تھے۔ فرمایا کرتے کہ: "واللہ میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں" جلال میں آکر فرماتے: "اس تصور پر لعنت" پھر فرماتے کہ: "اگر کوئی مدرسہ کے اہتمام اور بخاری شریف پڑھانے کا کام اپنے ذمہ لے لے تو مجھے خوشی ہوگی اور میں ایک عام خادم کی طرح مدرسہ کے ادنیٰ کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کروں گا"۔

ایثار و بے نفسی:

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب، حضرت شیخ بنوریؒ کے اخلاص و تواضع کی مثالیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں بنیاد رکھنے اور کام شروع کرنے کے بعد پہلا سال انتہائی بے سروسامانی، کس مپرسی اور تہی دستی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں آپ جس قدر فکرمند رہے اور جو جو مشقتیں آپ نے برداشت کیں ان کا حال آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں مگر اس کے باوجود ایثار و بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ الف سے یا تک مدرسہ کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے مگر مدرسہ کا مہتمم بناتے ہیں حضرت حاجی محمد خلیل صاحبؒ کو

صرف ان کی پاک دامنی، نیک نیتی اور للّٰہیت کی وجہ سے اور اپنی کارکردگی کو چھپانے کی غرض سے، ورنہ اندر باہر کے سب لوگ جانتے تھے کہ مہتمم درحقیقت حضرت مولاناؒ خود ہیں۔

اخلاص وتواضع:

قیام مدرسہ کے دوسرے سال جب مدرسہ میں دورہ حدیث شریف بھی شروع ہوجاتا ہے اور اساتذہ کا اضافہ ناگزیر ہوجاتا ہے تو اپنے ذی علم مخلص دوستوں میں سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافعؒ کو مدرسہ میں بلاتے ہیں تو انہی کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث بناتے ہیں اور بخاری شریف پڑھانے کو دیتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں حضرت شیخ بنوریؒ کے درس بخاری شریف کی شہرت تھی اور تمام اہل علم اس کا اعتراف کرتے تھے۔"

(خصوصی نمبر، ص ۲۳۰)

اُسْمِعْتُ مَنْ نَاجَیْتُ:

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں دو باتوں پر کامل یقین ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ ایک یہ کہ مال و دولت کے تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور دوسرا یہ کہ اولادِ آدم کے قلوب بھی اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر ہم اخلاص کے ساتھ صحیح کام کریں گے تو اللہ بندوں کے قلوب خود بخود ہماری طرف متوجہ کرکے اپنے خزانوں سے ہماری مدد کرے گا۔ ہمیں کسی انسان کی خوشامد کی ضرورت نہیں۔ فرمایا کرتے: مجھے تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ

کے یہ کلمات بے انتہا پسند ہیں اور اس پر میرا عمل ہے "اسمعت من ناجیب"۔ فرماتے جس کے لئے ہم یہ سب کچھ کرتے ہیں اس کو ہم اپنا حال سناتے ہیں اور اسی سے ہم مانگتے ہیں، کسی اور سے ہمیں کیا واسطہ۔"

(خصوصی نمبر، ص ۲۲۷)

نام ونمود کا فتنہ:

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

" اس زمانے میں (تحریکِ ختمِ نبوت کے زمانے میں جب کہ) ملک بھر میں مولاناؒ کا طوطی بول رہا تھا، اخبارات مولاناؒ کی سرگرمیوں کی خبروں سے بھرے ہوئے تھے اور ان کی تقریریں اور بیانات شہ سرخیوں سے شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو میز بانوں نے اخبارات کا ایک پلندہ مولاناؒ کے سامنے رکھ دیا۔ یہ اخبارات مولاناؒ کے سفر کوئٹہ کی خبروں، بیانات، تقریروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔ مولاناؒ نے یہ اخبارات اٹھا کر ان پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر فوراً ہی انہیں ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے بعد جب کمرے میں کوئی نہ رہا تو احقر سے فرمایا: " آجکل جو کوئی تحریک دین کے لئے چلائی جائے اس میں سب سے بڑا فتنہ نام ونمود کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ دینی تحریکوں کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ مجھے بار بار یہ ڈر لگتا ہے کہ میں اس فتنہ کا شکار نہ ہو جاؤں اور اس طرح یہ تحریک ڈوب نہ جائے۔ دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس فتنے سے ہم سب کی حفاظت فرمائے ورنہ ہمارے اعمال کو تو بے وزن بنا ہی دے گا۔ اس مقدس تحریک کو بھی لے کر بیٹھ جائے گا۔" یہ بات فرماتے ہوئے مولاناؒ

کے چہرہ پر کسی تصنّع یا تکلّف کے آثار نہ تھے بلکہ دل کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والی تشویش نمایاں تھی۔" (البلاغ، ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ)

جو کچھ ہے اللہ کی خاطر ہے:

جناب ڈاکٹر غلام محمد کراچی، حضرتؒ کے اخلاص کا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں:

" جہانگیری مسجد (کراچی) کے منتظمین نے مولانا سے تقریر کا وعدہ لیا۔ جس رات کو تقریر تھی، اتفاق سے بعدِ مغرب میں مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کہ جہانگیری مسجد میں میری تقریر ہے، عشاء کی نماز کے بعد فوراً ہوگی اور کچھ زیادہ لمبی تقریر نہیں کرنا ہے، آپ بھی ساتھ چلیں۔ میں نے عرض کیا کہ جو لمحات آپ کے ساتھ گزر جائیں وہی تو کام کے لمحات ہوں گے۔ چنانچہ ہم دونوں مسجد پہنچ گئے۔ عشاء کی نماز میں روزانہ کے معمول کے مطابق کوئی ڈھائی تین صفیں ہوں گی اور ختمِ نماز پر تو صرف چند آدمی رہ گئے تھے۔ "چند" محاورہ ادب میں یعنی بارہ کے اندر اندر۔ کچھ عقدہ نہ کھل سکا کہ ماجرا کیا ہے؟ مولاناؒ نے چپکے سے مجھ سے فرمایا آٹھ دس آدمیوں میں کیا تقریر ہوگی؟ میں نے اس بے تکلفی کی بناء پر جس پر خود مولاناؒ کی شفقت نے جری کر رکھا تھا، عرض کیا کہ "جو کچھ ہے اللہ کی خاطر ہے، لوگ کم رہیں خواہ زیادہ، مختصر ہی سہی مگر تقریر ضرور ہوگی۔" بس یہ بے ساختہ جملہ اس صاحبِ اخلاص عالم ربانی کے دل پر ایسا اثر کر گیا کہ پھر تقریر ہوئی اور کوئی گھنٹہ بھر ہوئی اور اس قدر پر تاثیر اور جذبِ الٰہی کا اثر لئے ہوئے کہ صاف یوں محسوس ہوتا

تھا کہ اب مولاناؒ کی نگاہ میں کوئی غیر ہے ہی نہیں، وہ بس اللہ کی خاطر کہے جارہے ہیں، آگے یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ ان کی آواز کو انس و جن تک پہنچادے۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۳۴)

پیدل آنے میں زیادہ ثواب ملے گا:

حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب راوی ہیں کہ:

" میں نے ایک دفعہ حضرت شیخ بنوریؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقع پر ہماری مسجد میں کچھ بیان فرمائیں۔ بلا تکلف درخواست قبول فرمالی۔ حسبِ وعدہ تشریف لاکر نہایت موثر وعظ فرمایا۔ واپسی کے لئے بندہ گاڑی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلا تو حضرت شیخؒ پیدل روانہ ہوکر نیوٹاؤن پہنچ گئے۔ بندہ کو اس پر بہت ندامت و شرمندگی ہوئی۔ معذرت کے لئے حاضر ہوا تو خندہ پیشانی سے فرمایا کوئی حرج نہیں، پیدل آنے میں زیادہ ثواب ملے گا۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۱۹)

اللہ! اللہ! یہ کسر نفسی:

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ:

" ۱۹۷۳ء میں، میں نے حضرت شیخ بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر "مجموعہ قوانین اسلام" کی جلد چہارم کا مسودہ پیش کرکے اس پر نظر ثانی کرنے اور اس پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی۔ پھر شیخ بنوریؒ نے جلد چہارم کو جستہ جستہ دیکھا اور تفصیلی مطالعہ کے لئے مولانا مفتی ولی حسن سے کہا اور پھر خود حضرت بنوریؒ نے بہت عمدہ اردو میں تقریظ لکھی اور آخری پیراگراف

سناتے ہوئے فرمایا: "ہماری اردو خودرو ہے۔ ہم نے اردو کہیں پڑھی نہیں، کوئی غلطی ہو تو درست کر لینا" اللہ! اللہ! یہ کسرِ نفسی۔

احترامِ اختلافِ رائے اور حوصلہ و برداشت:

مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی ارقام فرماتے ہیں:

" جن دنوں بندہ خاکسار جامعہ میں تخصص فی الفقہ کر رہا تھا، انہی ایام میں مخدوم العلماء شیخ العالم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی تدفین کا مسئلہ حضرات علماءِ کرام کے درمیان زور و شور سے متنازعہ فیہ بنا ہوا تھا۔ جامعہ کے پورے ماحول اور حضرت الاستاذ علامہ بنوری نوراللہ مرقدہ کا موقف ایک تھا، جبکہ جامعہ کی اسی چار دیواری میں ایک مردِ باخدا، درویش منش، سراپا فرشتہ صفت انسان شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی رائے ان تمام حضرات کے یکسر خلاف تھی ۔ یہاں تک کہ بعض عناصر اس خالص علمی اختلاف کو بہانہ بنا کر مولانا لدھیانویؒ کو ادارۂ بینات سے علیحدہ کرانے کی سعی لاحاصل میں کوشاں تھے۔ کھلم کھلا اختلاف رائے اور مہربانوں کی کمالِ مہربانی کے باوجود بھی حضرت الاستاذ مولانا علامہ بنوریؒ، مولانا لدھیانویؒ کو علیحدہ کرنے پر اپنے ہم خیالوں کے ساتھ متفق نہ ہو سکے۔"

(ماہنامہ القاسم، اکتوبر ۲۰۰۲ء)

شہرت سے نفرت:

حضرت شیخ بنوریؒ شہرت طلبی کو سخت برا سمجھتے تھے۔ انہوں نے ایسے تمام راستوں کو بند کر دیا تھا جو شہرت کا سبب یا ذریعہ بن سکیں، حتیٰ کہ مدرسہ میں کبھی

کوئی جلسہ تقسیم اسناد یا دستار بندی منعقد نہ کیا۔ ختم نبوت کے قادیانی مسئلے میں حضرت شیخ بنوریؒ نے پورے ایک سو دن شب و روز کام کیا۔ اس میں بھی ان کا یہی طرزِ فکر تھا کہ جو کچھ کرو، اللہ کے لئے کرو، شہرت کے لئے نہ کرو۔ "

(خصوصی نمبر، ص ۴۵۱)

لفظِ مہتمم سے احتراز:

جناب ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب لکھتے ہیں:

" مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد حضرت شیخ بنوریؒ نے خود رکھی اور آپ ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مدرسہ کو اس مقام تک پہنچایا مگر آپ تو تواضعاً یہ بھی پسند نہ فرماتے تھے کہ آپ کے نام کے ساتھ " مہتمم " کا لفظ لکھا جائے۔ اس لئے آپ نے ایک نیک اور بزرگ ہستی مرحوم سید محمد خلیل صدر انجمن جامعہ مسجد نیو ٹاؤن کو اعزازی مہتمم بنا دیا جو دس سال تک اس منصب پر قائم رہے۔ "

چھوٹوں کی ڈانٹ بھی برداشت کر لیتے:

مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی لکھتے ہیں:

" حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ جامعہ میں ناظمِ تعلیمات تھے۔ ہر چند مولانا میرٹھیؒ بااصول انسان ہونے کے علاوہ طبعاً کرخت آواز اور جہیر الصوت تھے۔ حضرت الاستاذ علامہ بنوریؒ ایک روز گھنٹی لگ جانے کے کچھ دیر بعد تشریف لائے جس پر مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ نے اپنی گرج دار آواز سے فرمایا: " ارے بابا " (یہ مولانا میرٹھیؒ کا تکیہ کلام تھا) اگر تم بھی دیر سے آؤ گے تو دوسروں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ " علامہ بنوریؒ نے اپنے ماتحت سے

سچی اصولی اور قانون سے ہم آہنگ تنقید سنی تو نہ برا منایا اور نہ ہی مواخذہ فرمایا۔" (ماہنامہ القاسم، اکتوبر ۲۰۰۲ء)

جذبۂ خدمتِ دین کی انتہاء:

دین کی خدمت کا جذبہ اتنا تھا، فرماتے کہ میں کبھی سوچتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مجھ پر خدمتِ دین کے سارے دروازے بند ہو جائیں تو میں کیا کروں گا، میں ایسا گاؤں تلاش کروں گا جہاں کی مسجد غیر آباد ہو اور لوگ نماز نہ پڑھتے ہوں۔ وہاں جا کر اپنے پیسوں سے ایک جھاڑو خریدوں گا اور مسجد کو اپنے ہاتھ سے صاف کروں گا۔ پھر خود اذان دوں گا اور لوگوں کو نماز کی دعوت دوں گا۔ جب وہ مسجد آباد ہو جائے گی تو پھر دوسری مسجد کو تلاش کروں گا اور وہاں بھی ایسا ہی کروں گا۔"

(خصوصی نمبر، ص ایضاً)

امتیازی حیثیت گوارا نہ تھی:

" تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے لئے امتیازی حیثیت گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس سفر میں ہوٹل کے قیام کے دوران کمرے میں میری چارپائی مولاناؒ کی چارپائی کے بالمقابل لگی ہوئی تھی۔ میرا جی گوارا نہ کرتا تھا کہ اس طرح بالمقابل سوؤں۔ میں نے بستر چارپائی سے اٹھا کر نیچے قالین پر بچھانا چاہا تو سختی سے روک دیا اور فرمایا کہ چارپائی پر ہی سونا ہوگا۔ اسی طرح نیروبی میں ایک صاحب کے مکان پر جب قیام فرمایا تو وہاں کمرے میں صرف ایک پلنگ بچھا تھا۔ باقی قالین پر انہوں نے میرے لئے اسپرنگ والا موٹا گدا

بچھا دیا تھا تو مجھے فرمانے لگے کہ میرا بستر بھی قالین پر بچھا دیجئے۔ میں نے بڑی مشکل اور اصرار سے چارپائی پر آپ کو سلایا۔" (خصوصی نمبر، ص ایضاً)

علوشان کے باوصف، اضیاف کی قدردانی:

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ خدام اور تلامذہ پر بہت شفقت فرماتے۔ کبھی ذاتی بڑائی اور علوشان ادنیٰ سے ادنیٰ خادم پر توجہ فرمانے سے مانع نہیں ہوئی۔ سفر حج کے موقع پر یہ ناکارہ بدرسہ عربیہ نیوٹاؤن حاضر ہوا۔ حضرت بنوریؒ عصر کی نماز سے فراغت کے بعد کسی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے کار میں سوار ہو چکے تھے۔ بندہ نے خیال نہیں کیا اور سیدھا دفتر کی طرف چلا گیا لیکن حضرت بنوریؒ نے دیکھ لیا، فوراً کار سے اتر کر تشریف لائے اور بہت محبت سے شفقت سے خیریت دریافت کی اور مہمانی فرما کر قیام کا دریافت کیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ حاجی کیمپ میں مستورات ہمراہ ہیں۔ پھر فرمایا کہ خدا حافظ، میں جنازے کے لئے جارہا تھا، تمہیں دیکھ کر کار سے اتر آیا تھا۔"

(خصوصی نمبر، ص ۴۹۴)

اربابِ اہتمام کے لئے نمونہ:

مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی نے تحریر فرمایا ہے:

" جس سال بندہ ناتواں جامعہ میں زیرِ تعلیم تھا انہی ایام میں حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی سندھویؒ سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ جامعہ میں شعبہ تحقیق دعوت والارشاد کے نگران بن کر تشریف لائے تھے۔

حضرت الاستاذ علامہ بنوریؒ نے ان موصوف کی قدر و منزلت کا لحاظ فرماتے ہوئے ان کا مشاہرہ اپنے سے زیادہ مقرر فرمایا اور گاہے گاہے برملا مجلس میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک استاذ جامعہ میں ایسا بھی ہے جس کی تنخواہ "رئیس الجامعہ" سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت الاستاذ علامہ بنوریؒ کے اس وتیرہ میں جہاں ایک صاحبِ علم کی قدر دانی کا پاس و لحاظ رکھا گیا ہے وہاں اربابِ اہتمام کے لئے ایک درس بھی ہے۔"

(ماہنامہ القاسم، اکتوبر ۲۰۰۲ء)

حضرت شیخ بنوریؒ کی تواضع، بے نفسی و فنائیت اور اخلاص وللّٰہیت کا ثمرہ آج دنیا کے سامنے "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کی شاندار عمارت اور تعلیمی معیار کی شکل میں موجود ہے جو چند سال پہلے بالکل ویرانہ تھا۔ حضرت بنوریؒ کی عظمتیں، تدریس کی رفعتیں، تصنیف کی عزتیں، جہاد و تبلیغ دین کی برکتیں اور محدثانہ جلالتِ قدر کے ساتھ ساتھ جتنے بھی کمالات تھے وہ کس قدر تھے؟ کیا کیا ان میں ظاہر ہوئے؟ حضرت تو بحر العلوم تھے۔ علم کے بحر ناپیدا کنار تھے مگر اس کے باوصف تعظیم سے نہایت گھبراتے، ہر کسی سے بے تکلف رہتے اور بزبان حال و قال فرمایا کرتے .... ؎

رہا دل کو رضائے یار سے کام نہ سمجھے ہم جفا کیا ہے وفا کیا؟
فنا ہو جائیں تیرے آستان پر سوا اس کے ہمارا مدعا کیا

باب : ۱۰

جرأت وشجاعت، حق گوئی و بے باکی

محدّث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ہمہ گیر، ہمہ جہت اور گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جہاں وہ ایک تجربہ کار، کہنہ مشق، قابل مدرّس اور مربی تھے وہیں خدا تعالیٰ نے ان کو دوراندیشی، تدبّر، معاملہ فہمی، نظم وانتظام کی قابلِ رشک صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ ان کی زندگی صداقت وعدالت، جرأت وشجاعت، بلند ہمتی وحوصلہ مندی، خلوص وللّٰہیت اور حق گوئی و بے باکی کا آئینہ دار تھی۔ انہیں مال و دولت اور جاہ ومنصب کی لالچ کبھی بھی حق کہنے سے باز نہ رکھ سکی اور نہ ابتلا وآزمائش، فاقہ مستی وتنگدستی نے کبھی ان کا راستہ روکا۔

وہ ایک خداترس انسان تھے اور اپنے رب کی خوشنودی کے نشہ سے سرشار اور اس کی رحمت کے خواستگار رہتے۔ آپ کی وضع قطع سے بھی جرأت وشجاعت کے آثار ہویدا تھے۔ چال ڈھال سے مجاہدانہ شان جھلکتی تھی۔ زندگی میں کئی ایسے مواقع پیش آئے کہ ان میں ان کی جان کو بھی سخت خطرہ ہوتا تھا لیکن آپ نے کبھی بھی گھبراہٹ محسوس نہیں کی۔

اور غنا بند کرادیا گیا:

حضرت مولانا محمد بدیع الزمان صاحب، حضرت شیخ بنوریؒ کی جرأت وشجاعت کے واقعات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت شیخؒ حق گوئی کی وجہ سے بھی مقبول خلائق تھے۔ حق بات کہنے میں اس قدر بے باک اور جری تھے کہ اس دور میں اس کی نظیر کم ملے گی۔ صحابہ کرامؓ کی صفت ﴿و لا یخافون فی اللہ لومة لائم﴾ (۵:۵۴) کا صحیح عکس تھے۔ جب کبھی خلافِ حق کوئی بات سنتے یا پڑھتے تو اس وقت صفتِ فاروقی و اشدھم فی امر اللہ عمر کا مکمل نمونہ ہوتے۔ ملوک وامراء اور عمائدین سلطنت کے سامنے حق بات کہنے سے کبھی تامل نہیں فرمایا۔ جب شاہ فیصل مرحوم تخت پر رونق افروز ہوئے اس سال حضرت شیخ حج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ منیٰ میں شاہ فیصل مرحوم سے ملاقات ہوئی، مصافحہ کے بعد ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ ان ایام مقدسہ میں جب کہ حجاج کرام مناسک حج ادا کر رہے ہیں، اس طرف سے غنا کی آواز آ رہی ہے، اس کو بند کرادیجئے۔ اس پر ملک فیصل مرحوم نے برجستہ جواب دیا کہ ان شاء اللہ پھر نہیں ہوگا۔ الحمد للہ اسی وقت غنا بند کرادیا گیا۔

سیفِ بے نیام:

ایک دفعہ ایوب خاں کے دورِ اقتدار میں علماء کو ڈپٹی کمشنر نے دعوت دی۔ حضرت شیخ بنوریؒ بھی تشریف لے گئے۔ ڈپٹی کمشنر نے علماء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ حضرات حکومت سے تعاون کریں اور منبر پر بیٹھ کر

حکومت پر تنقید کرنے سے گریز کریں۔ یہ سنتے ہی حضرت شیخ بنوریؒ کھڑے ہو گئے اور ڈی سی کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ آپ جس کرسی پر متمکّن ہیں، اگر آپ ایوب خان کے خلاف کوئی بات کہیں تو کیا آپ اس کرسی پر برقرار رہیں گے۔ ڈی سی نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس منصب پر ہمیں فائز فرمایا اگر اس منصب کی ذمہ داریاں ہم پوری نہیں کریں گے تو ہم بھی اس منصب پر قائم نہیں رہ سکتے، اللہ اور رسولؐ نے ہمیں منبر پر بٹھا کر کچھ فرائض ہم پر عائد کئے ہیں۔ ان فرائض کو ادا کرنے کی صورت میں ہم بھی اسی کرسیٔ دین سے محروم ہو جائیں گے۔ حضرت شیخ بنوریؒ کی زندگی کے بے شمار واقعات شاہد ہیں کہ کسی موقعہ پر مصالح کی آڑ میں حق گوئی سے تسامح نہیں فرمایا۔ ہر باطل کے مقابلہ میں سیفِ بے نیام تھے۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی:

ایوب خاں کے دورِ حکومت میں محکمہ اوقاف کو حکم دیا گیا کہ مدرسہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن پر فوراً قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ محکمہ اوقاف کی طرف سے قبضہ کرنے کی تیاری مکمل کر لی گئی۔ اسی حکم کی تعمیل کے سلسلہ میں چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مدرسہ میں آیا۔ جب حضرت شیخ بنوریؒ کو اطلاع ہوئی، دفتر میں تشریف لائے، ملاقات کے بعد چیف ایڈمنسٹریٹر کو کتب خانہ دکھایا۔ تفصیلی معائنہ کرانے کے بعد فرمایا یہ بتائیے کہ کوئی شخص بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ مختلف جگہوں سے ایک ایک پودا لا کر شاندار باغ لگائے، جب باغ مثمر اور بار آور ہونے لگے تو ایک ظالم آ کر تمام باغ کو ویران کر دے تو کیا مالکِ

باغ کو تکلیف نہیں ہوگی؟ فرمایا یہ علمی چمن ہے، اس میں اس وقت جتنی قیمتی اور نادر کتب موجود ہیں، کس کو معلوم ہے کہ میں نے کس محنت اور عرق ریزی سے ان کو جمع کیا۔ بلادِ عرب کے گوشہ گوشہ سے علمی جواہرات لا کر اس کتب خانہ میں رکھ دیئے۔ اب اس حدیقۃ العلم کو اگر کوئی ظالم ویران کرنا چاہے تو بتائیے مجھے کتنی اذیت پہنچے گی۔ اس کے بعد حضرت شیخ بنوریؒ نے جلالی شان سے اس کے گریبان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ قیامت کے روز تمہارا گریبان پکڑ کر احکم الحاکمین کے دربار میں استغاثہ پیش کروں گا کہ اس نے علمی چمن کو ویران کیا تھا۔ شیخ رحمۃ اللہ کی اس گفتگو سے چیف ایڈمنسٹریٹر اس قدر متاثر ہوا، کہنے لگا مولانا! آپ مطمئن رہیں، ان شاء اللہ چمن یونہی رہے گا۔ چنانچہ واپس جا کر چیف نے حکومت کو رپورٹ پیش کی کہ میں نے مدرسہ کا معائنہ کیا، ایسے مدرسہ پر حکومت کا قبضہ کرنا خود حکومت کے لئے بدنامی کا باعث ہوگا۔ چند دنوں کے بعد حکومت کی طرف سے اطلاع آئی کہ ہم نے حکم واپس لے لیا۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(خصوصی نمبر، ص ۵۲۱)

اعلاءِ کلمۃ الحق:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوریؒ لکھتے ہیں:

" شاہ فیصل سے مولاناؒ کی جو آخری ملاقات ہوئی اس میں انہوں نے مولاناؒ سے فرمایا تھا کہ میں نے بھٹو کو ملاقات کے وقت صاف صاف بتا دیا تھا کہ پاکستان کے تین دشمن ہیں۔ قادیانی، کمیونسٹ اور مغربی ممالک۔ مولاناؒ

نے بھٹو سے جو ملاقات لاہور میں کی تھی اس میں آپ نے بھٹو سے فرمایا کہ کیا تم کو ملک فیصل نے نہیں بتایا کہ قادیانی، کمیونسٹ اور مغربی بلاک پاکستان کے تین دشمن ہیں اور انہی لوگوں نے سازش کر کے لیاقت علی خان کو مروایا تھا۔ مسٹر بھٹو نے مولاناؒ سے کہا کہ کیا تم مجھ کو بھی مروانا چاہتے ہو۔ مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ ایسی موت کسی کو نصیب ہو تو اس پر ہزاروں زندگیاں قربان۔ جو شخص شہادت کی موت مرتا ہے وہ مرتا نہیں بلکہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔"

دینی مدارس، حکومتی عزائم اور مولانا بنوریؒ سدِ راہ:

" سکندر مرزا کے زمانہ میں پاکستان میں مغرب زدہ لوگوں کا طوطی بولتا تھا۔ حکومت کے اربابِ حل وعقد پر بھی ہمیشہ اسی طبقہ کا اثر رہا۔ ان لوگوں کو یہ تکلیف تھی کہ حکومت جو بھی تجدد پسندانہ حکمتِ عملی تجویز کرے اس کے لئے صرف علماء کا طبقہ سنگِ راہ بن جاتا ہے۔ مولانا نور الحق صاحب سابق ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ ایک دفعہ سابق صدر ایوب خان نے مجھ سے کہا کہ:

> تیونس، مراکش، مصر، شام کسی جگہ بھی علماء حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے، محکمہ اوقاف نے سب کو باندھ رکھا ہے، ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ حکومت کچھ کرتی ہے تو کراچی سے پشاور تک علماء اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دیتے ہیں اور ملک میں ایک ہل چل پیدا ہو جاتی ہے۔ تم مصر جاؤ اور وہاں جا کر جائزہ لو کہ حکومت مصر نے کس ترکیب سے علماء کو باندھ رکھا ہے،

پاکستان میں بھی علماء کو پابند کرنے کے لئے ایک منصوبہ تیار کرو۔ بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے بھی میرے سامنے اس قسم کے خیالات صدر ایوب سے نقل کئے تھے۔ چنانچہ ڈین صاحب مصر گئے اور واپسی پر صدر ایوب کے سامنے تمام مساجد اور مدارس عربیہ کو حکومت کی تحویل میں لینے کا نسخہ کیمیا تجویز کیا۔ صدر ایوب نے جب اس منصوبے پر عمل درآمد کے لئے تمام مدارس عربیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ڈین صاحب نے ان سے کہا کہ مصر اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں، ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر ہم مدارس کو حکومت کے قبضے میں لے لیں تو مولانا محمد یوسف بنوری جیسے علماء مدارس کے بجائے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے، عرب ممالک میں تو عوام کو مدارس کے لئے چندہ دینے کی عادت نہیں مگر پاکستان میں ایسے علماء ہیں کہ اگر انہوں نے مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تو عوام و مخلصین ان کو بغیر رسید کے چندے دیں گے اور مسجدوں میں پھر سے نئے آزاد مدرسے قائم ہو جائیں گے، حکومت کے سرکاری مدارس میں تو دینی علوم پڑھنے کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ اس طرح ہمارا یہ منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔

علماءِ راسخین:

صدر ایوب نے ڈین صاحب کو مدارس عربیہ کے لئے نیا نصاب تعلیم بنانے کا حکم دیا۔ ڈین صاحب بڑے طمطراق کے ساتھ کراچی تشریف لائے، حیدرآباد یونیورسٹی کے داؤد پوتا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ڈین صاحب کی پوری

تقریر اور وعظ سن کر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا: "مدارس عربیہ کا نصابِ تعلیم کون بنائے گا؟ حدیث، تفسیر، فقہ کے نصاب مرتب کرنے میں آپ جیسے سرکاری ملازمین کی کیا حیثیت ہے؟ نصاب علماءِ راسخین ہی بنا سکتے ہیں اور وہی بنائیں گے"

ڈین صاحب بولے وہ علماء راسخین کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "یہ کام یوسف بنوری اور مفتی محمد شفیع کا ہے، آپ کون آئے نصاب بنانے والے۔" اس گفتگو سے یہ لوگ سخت خفیف ہوئے اور اس "نئے نسخے" کا ارادہ ترک کر دیا۔

ملاحدہ کی لادینی سکیم ناکام ہوگئی:

انہی مغربی سامراج کے پروردوں نے لادینی عناصر کے ساتھ ملکر ایک اور سکیم بنائی، وہ یہ کہ مختلف ممالک اسلامیہ سے علماء کو جمع کر کے ایک مجلس مباحثہ کلوکیم (COLLOQUIUM) منعقد کی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے علماء تنگ نظری اور قدامت پسندی میں مبتلا ہیں اور مصر و شام کے علماء آزاد خیال اور تجدد پسند ہیں۔ یہاں کے علماء کا دین سب سے مختلف ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں وہ بینک کے سود کو حرام سمجھتے ہیں، خواتین کی حیاء وعصمت کی حفاظت کے لئے پردہ کے حامی ہیں اور داڑھی نہیں منڈاتے بلکہ اسے اسلام کا شعار، مردانہ چہرے کی زینت اور سنتِ نبویؐ سمجھتے ہیں۔ پرویز وغیرہ ملاحدہ نے حکومت کو یقین دلایا تھا کہ اس مجلس مباحثہ سے قدامت پسند طبقہ کو شکست ہوگی اور مصر و شام کے علماء یہاں کے مولویوں کو

تجدد پسندی کا درس دیں گے۔

چنانچہ مصر سے شیخ مصطفیٰ زرقاء، معروف دوالیبی، ابوزہرہ (جو اسکندریہ لاء کالج کے پرنسپل اور حیاتِ ابوحنیفہؒ، حیاتِ شافعیؒ، حیاتِ ابن حنبلؒ، حیاتِ ابن حزمؒ وغیرہ کے مصنف تھے اور اصولِ فقہ کے بہت بڑے عالم اور قانون کے بھی ماہر تھے) ایک فصیح وبلیغ مصری عالم مہدی علام اور ازہر کے کئی اور جید علماء کو بھی دعوت دی گئی۔ پاکستان سے مولانا بنوریؒ، مفتی محمد شفیعؒ اور مسٹر غلام احمد پرویز کو مدعو کیا گیا۔ مصر و شام کے مندوبین کراچی اترے اور مولانا بنوریؒ کے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن میں تشریف لائے۔ مولاناؒ کی عبقری شخصیت سے پہلے بھی متعارف تھے مگر یہاں آکر مولاناؒ کے علم سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ مولاناؒ نے ان کے سامنے اس مجلس مباحثہ کے اغراض ومقاصد کو بے نقاب کیا اور ان تمام مسائل میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ یہ حضرات کراچی سے لاہور پہنچے تو مولاناؒ کے خیالات کی تائید کی۔ ازہر کے علماء نے واشگاف کہا کہ اسلام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں۔ پرویز وغیرہ کو اسلام میں رخنہ اندازی کی جرأت نہ ہوئی۔ حکومتِ پاکستان کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان مسائل میں دنیا بھر کے علماء کے خیالات ومعتقدات یکساں ہیں۔ اس کلو کیم سے دین اسلام اور علمائے دین کو فائدہ پہنچا۔ ملاحدہ کی لادینی سکیم ناکام ہوگئی اور وہ خائب وخاسر ہوکر رہ گئے۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۲ تا ۴۷)

وزراء کے دربار سے اجتناب:

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب راوی ہیں:

" مولاناؒ پسند و ناپسند (LIKE AND DISLIKE) کے آدمی تھے۔مداہنت ومنافقت ان کے مسلک میں جرم عظیم تھی۔جس کو چاہتے ٹوٹ کر چاہتے اور جس کو ناپسند کرتے کسی دوسرے کی زبانی اس کے ذکر سے بھی انہیں تکلیف ہوتی۔ایک مرتبہ بھٹو صاحب کے دورِ حکومت میں ایک بااثر وفاقی وزیر کراچی آرہے تھے، ایک انجمن ان کو ظہرانہ میں بلا رہی تھی۔کچھ گفتگو بھی مقصود تھی۔دو ایک مولوی صاحبان بہت کوشاں تھے کہ مولانا بنوریؒ صاحب اور مفتی محمد شفیعؒ صاحب اس میں شرکت فرمالیں۔اس وقت مدرسے میں اتفاقاً میں موجود تھا۔مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے فون پر بات کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔اس وقت کے ماحول سے مجھے کچھ گھبراہٹ ہورہی تھی، میں جلدی چلا آیا۔چند روز بعد میں مولاناؒ کی خدمت میں گیا تو اس بارے میں دریافت کیا۔فرمانے لگے میرا جی اندر سے نہ چاہتا تھا مگر ان مولوی صاحب کا مفتی محمد شفیع صاحب سے رشتہ داری کا تعلق تھا اس لئے خاموش رہا اور اقرار یا انکار کچھ نہ کیا۔چاہتا تھا کہ پہلے مفتی صاحب سے بات ہوجائے۔مفتی صاحب اور میری دونوں کی رائے ہوئی کہ ہمیں اس میں شرکت نہ کرنی چاہئے، چنانچہ ہم دونوں میں سے وہاں کوئی نہ گیا۔پھر خدا کی شان دیکھئے دوسرے دن ان وزیر صاحب کا فون آیا کہ میں مدرسہ آنا چاہتا ہوں، میں نے کہا تشریف لے آیئے۔وہ آئے، میں نے ان کی چائے وغیرہ سے خاطر تواضع کی مگر ساتھ ہی بھٹو صاحب کے لادینی اقدامات اور ملک میں بڑھتی ہوئی بے دینی کی طرف ان کی توجہ دلائی، موقع اچھا تھا۔" (خصوصی نمبر، ص۴۵۲)

کمالِ شجاعت ومردانگی:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری صاحب رقم طراز ہیں:

" اسلامیہ کالج پشاور میں قادیانیوں نے اپنے کارندوں کے تعاون سے ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے تلمذ کے ناطے سے مولانا بنوریؒ کے دل میں قادیانیوں کے خلاف عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ نفرت تھی۔ اس لئے مولانا بنوریؒ کو اس جلسہ کے انعقاد پر انتہائی پریشانی تھی اور ہم دونوں نے اس جلسہ کو غیرتِ اسلامی کے لئے ایک چیلنج تصور کیا اور اس کے مضر اثرات اور زہریلے نتائج سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے مذکورہ جلسے کو ناکام بنانے کی ٹھانی۔

جلسہ کے روز میں اپنے تلامذہ کو اور مولاناؒ اپنے متعلقین کو لاٹھیوں سے مسلح کر کے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ جلسہ کے آغاز میں منتظم جلسہ نے اس اجتماع کی صدارت کے لئے ایک قادیانی کا نام لیا۔ صدرِ جلسہ کا نام سنتے ہی مولانا بنوریؒ نے کمالِ شجاعت ومردانگی سے اعلان کیا کہ اس جلسہ کی صدارت مولانا عبدالمنان صاحب کریں گے۔ میں نے مولاناؒ کی تائید کردی۔ ہماری اس دلیرانہ حرکت نے قادیانی منتظمین کو آپے سے باہر کردیا۔ ان کے چہرے سرخ ہوگئے اور آنکھیں انگارے بن گئیں۔ وہ تلملا کر بولے صدارت کی نامزدگی کا حق تمہیں کس نے دیا ہے؟ تو تکار شروع ہوگئی۔ اسی اثناء میں ایک کڑیل قادیانی خاموشی سے میری پیٹھ پر حملہ آور ہوا لیکن اس نے ابھی لاٹھی اٹھائی ہی تھی کہ ہمارے احباب وتلامذہ نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی

ہمارے دیگر رفقاء بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قادیانیوں کی وہ درگت بنائی کہ انہیں بھاگتے ہی بنی۔ چنانچہ جلسہ گاہ پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔ مرزائی اپنی ذلت و پسپائی پر باہر کھڑے دانت پیس رہے تھے حتیٰ کہ جلسہ گاہ میں اپنی بچھائی ہوئی دری لینے کی بھی ان کو ہمت نہ ہوئی اور ان کی لجاجت اور منت سماجت کے بعد ہم نے ان کو دری دی۔ اس واقعہ کے بعد مرزائیوں کو جلسہ کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔"

ان کو لگام دیجئے:

" ۱۹۶۸ء میں جب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی (جس کا اہتمام ادارۂ تحقیقاتِ کے سابق ڈائریکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کیا تھا) تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوّلیات کو غلط انداز میں پیش کر کے متجدّدین کے آزاد اجتہاد کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہی اور اس کے لئے انداز ہی ایسا اختیار کیا کہ جیسے قوتِ اجتہادیہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔ اس محفل میں عالمِ اسلام کے معروف اور جید علماء موجود تھے لیکن اس موقع پر اس بھرے مجمع میں جن صاحب کی آواز سب سے پہلے گونجی وہ حضرت مولانا بنوریؒ تھے۔ انہوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدرِ محفل مفتی اعظم فلسطین مرحوم سے خطاب کر کے فرمایا:

" سیدی الرئیس ! ارجوکم ان تلجموا ھذا الخطیب

ارجو کم ان تلجموه ، ماذا یقول ؟ "

ترجمہ: جنابِ صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دیجئے۔ براہِ کرم ان کو لگام دیجئے، یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

ان کے یہ بلیغ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔"

تصویر اتروانے سے انکار کر دیا:

" جمال عبدالناصر مرحوم نے ایک موقع پر جب علماء ومشائخ سے اپنے ساتھ گروپ فوٹو اتروانے کے لئے کہا تو غالباً حضرت شیخ بنوریؒ واحد شخص تھے جنہوں نے ناصر مرحوم کی خواہش پوری نہ کی۔ صدر ناصر کے قریب جا کر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر پرزور الفاظ میں یہ کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ایک قوی اور جری دل سے نوازا ہے اس سے آپ اپنی زندگی میں اسلام کی خدمت لیں۔"

اَنۡتَ مَلَکٌ کَرِیۡم :

" علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوریؒ کا تعارف ہوا تو انہوں نے مولانا سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا کہ: "ہاں! اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کر سکتا ہوں۔" علامہ طنطناوی نے رائے پوچھی تو مولاناؒ نے فرمایا: "آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لئے احسانِ عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہوگئی ہیں۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں اس لئے علماء دین ان سے فائدہ نہیں

اٹھا سکتے۔ آپ کی کتاب علماء دین کے لئے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے لیکن جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے اس سلسلے میں آپ کے طرزِ فکر سے مجھے اختلاف ہے۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کر دیا جائے اور اس غرض کے لئے بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ آج آپ جس نظریئے کو قرآن کریم سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہو جائے۔ کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کریم کی بات (معاذ اللہ) غلط ہوگئی۔"

مولاناؒ نے یہ بات ایسے مؤثر اور دل نشین انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم متاثر ہوئے اور فرمایا:

"ایها الشیخ ! لست عالماً هندیاً و انما انت ملک کریم. انزله الله من السمآء لاصلاحی"

حضرت! آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں! بلکہ آپ فرشتہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لئے نازل کیا ہے۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۳۷ تا ۵۴۰)

سراپا اطمینان وسکون:

استاذِ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ راوی ہیں:

" غالباً ۲۹ مارچ ۱۹۶۹ء کو ہم نے حضرت شیخ بنوریؒ کے ساتھ ان کی

قیامگاہ کراچی سے احرام باندھا۔ تلبیہ احرام اور دعاؤں میں شریک ہوئے۔ دس گیارہ بجے دن کو جہاز نے کراچی سے پرواز کی۔ ابھی جہاز کراچی شہر پر چکر لگا رہا تھا کہ اناؤنسر نے محتاط رہنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ چند منٹ میں فنی خرابی کی وجہ سے دوبارہ کراچی ائیر پورٹ پر اتریں گے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لئے تمام عازمین حج میں جو سب احرام میں تھے نہایت پریشانی اور سراسیمگی دوڑ گئی۔ یہ پریشانی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی کہ جہاز کراچی کے سمندر پر چکر کاٹتا رہا۔ چند منٹ تقریباً آدھ گھنٹہ میں بدل گئے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اتنے بھاری جہاز میں جدہ تک چلنے کے لئے جتنا ایندھن ڈالا گیا ہے اتنے وزن کے ساتھ جہاز کا اترنا مشکل ہے اور اب جہاز اپنا وزن کم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بہر حال حضرت بنوریؒ پر مکمل اطمینان اور سکون چھایا ہوا تھا، مجھے بھی تسلی دیتے رہے اور کہا گھبرائیں نہیں، سورہ قریش کا ورد کرتے رہیں، سکونِ خاطر ہوگا۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۸۷)

حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے دین کے معاملے میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا اور ضرورت کے موقع پر دین حق کے لئے ہر موقع پر سخت سے سخت بات کہنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ آپ کے وقار، اخلاص، علمی عظمت اور درویشانہ بود وباش اور قلندرانہ طریقِ زندگی کی وجہ سے حکمرانوں پر یہ بات واضح رہی کہ آپ کو نہ خریدا جا سکتا ہے، نہ ضمیر کے خلاف کسی قول وفعل پر راضی کیا جا سکتا ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

باب : ۱۱

تصوف وسلوک، بیعت وخلافت

علوم دینیہ کا مقصود اور اس راہ میں تگ ودو کی اوّلین منزل نیت کی درستگی، اخلاص کی دولتِ بے بہا، معاملات کی صفائی، عبادات کا اہتمام، تزکیہ باطن اور اعمال کا تجلیہ ہے۔ رمز آشنائے حقیقت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جن کی مثنوی کے بارے میں واقفانِ اسرارِ باطن کا فیصلہ ہے کہ "ہست قرآن در زبان پہلوی" نے اپنے ایک شعر میں دینی علوم کا مقصد واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ....

جان جملہ علمہا ایں است و ایں
تا بدانی من کیم در یوم دیں

تمام علومِ دینیہ کا حاصل اور منتہا یہی ہونا چاہیئے کہ انسان کو عاقبت کی فکر اور زمرۂ سعداء میں شریک ہونے کی بے قرار تمنا نصیب ہو۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں صحابہ کرامؓ علمی مشاغل، تبلیغی مساعی، جہادی کارناموں، رزق حلال کے لئے انتھک مشقت کے بے پناہ مشاغل کے ساتھ ساتھ ذکر وشغل، تزکیہ باطن، معرفت وسلوک اور مراقبہ نسبت مع اللہ کے بلند درجات پر فائز ہوتے تھے۔ اس مبارک دور میں احسانی

کیفیات کا فیضان نہیں بلکہ عرفانی بارشیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابر نبوت ورسالت سے اس انداز میں ہو رہی تھیں کہ کسی ریاضت وتمرین کے بغیر خدا تعالیٰ کے یہ مقدس اور برگزیدہ بندے تزکیۂ باطن کی حقیقی دولت سے دامن مراد بھر لیتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد احسانی کیفیات کے حصول کے لئے ایک مرتب و مسلسل خانقاہی نظام وجود میں آیا۔

میرے غم کی قدر و قیمت کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ چراغ وہ ہے جس سے میرے گھر میں ہے اجالا

تخلیق انسانی کے مقصد اصلی معرفتِ خداوندی کے حصول کے لئے بیعت و ارشاد کا سلسلہ خیر القرون سے متواتر چلا آرہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یَا یُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَ کَ الْمُؤمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئاً وَ لَا یُسْرِقْنَ ﴾ (۶۱:۱۲)

اس آیتِ مبارکہ میں بیعتِ ارشاد کا ذکر ہے کیونکہ دربارِ نبوی میں آنی والی خواتین پہلے ہی مسلمان ہیں اور یہ بیعتِ جہاد نہیں کیونکہ ایک تو عورتیں ہیں، دوسرے جہاد کا موقع نہیں تو لازماً یہ بیعتِ سلوک واحسان اور بیعتِ ارشاد ہے جو شیوخ کے ہاں رائج ہے۔ ہمارے اکابرین میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور حضرت لاہوریؒ کے خلیفۂ اجل سیدی و مرشدی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ وہ اساطینِ امت تھے جن کی ذوات طالبین

احسان وسلوک کے لئے مینارۂ نور بنی رہی اور تشنگانِ علوم باطنی کے لئے چشمۂ صافی۔

بیعت وخلافت:

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد شفیع الدین نگینوی مہاجر مکیؒ سے بیعت ہو گئے۔ انہوں نے اجازت سے بھی مشرف فرمایا۔

علو اسناد کا شرف:

حضرت شیخ بنوریؒ زمانہ کے لحاظ سے تو اکابرِ دیوبند کے طبقہ چہارم میں آتے ہیں لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ انہیں حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے صرف ایک واسطہ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی صرف ایک واسطہ سے اجازت وخلافت طریقت حاصل ہے۔ یعنی آپ کو حضرت محمد شفیع الدین نگینوی مہاجر مکیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اور ان دونوں حضرات کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے۔ حضرات محدثین کی اصطلاح کے مطابق "علو اسناد" کا یہ شرف اس زمانے کے بہت کم حضرات کو حاصل ہے۔

حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ سے تعلق:

جب حضرت شیخ بنوریؒ، حضرت مولانا محمد شفیع الدین نگینوی مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے تو انہوں نے آپ سے فرمایا کہ ہندوستان میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی یا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دونوں میں سے کسی سے

رابطہ کرلیں۔ چنانچہ حضرت بنوریؒ نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پہلی حاضری رجب ۱۳۵۹ھ میں دی۔ حضرت تھانویؒ نے انہیں ۱۷، ۱۸ شوال ۱۳۶۱ھ کو اپنے ایک خط کے ذریعے مجازِ صحبت سے مشرف فرمایا اور اپنے خلفاء میں آپ کا نام شائع کرایا۔ حضرت شیخ بنوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے فیضِ صحبت سے بھی مستفید ہوتے رہے۔ حضرت مدنیؒ سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل نہ تھی لیکن ان سے سلوک کی تعلیم وتربیت پاتے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا تو انہوں نے اس کا جواب دیا اور ذکرِ قلبی اسم ذات پانچ ہزار تلقین فرمایا۔ اگرچہ حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا محمد شفیع الدینؒ جیسے اصحاب رشد وہدایت کے علاوہ حضرت بنوریؒ کو کسی بھی بزرگ سے بیعت وخلافت اور تعلیم وتربیتِ سلوک کا تعلق نہیں تھا لیکن آپ تمام اہل اللہ سے محبت کرتے تھے، ان کو دل سے چاہتے اور ان کا حد درجہ احترام کرتے۔

اہل اللہ سے تعلق:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب بیان فرماتے ہیں:

" حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز مدظلہ العالی کراچی تشریف لائے تو آپ ان سے بہت عقیدت سے ملے اور ایک مرتبہ ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے جارہے تھے، راقم الحروف کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ شیخ موصوف سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی میں بابو عبدالعزیز مرحوم کی کوٹھی پر قیام پذیر تھے۔ ملاقات ہوئی، میرا تعارف کرایا اور خصوصی دعا کرائی۔ واپسی پر مجھ سے فرمایا: اس دور میں اتنا اونچا شیخ ملنا مشکل ہے، ذکر کے آثار وانوار چہرے

پڑا تنے ہیں کہ برداشت نہ ہوسکیں، نسبت بہت قوی ہے، تم اس سے بیعت ہو جاؤ۔ دوبارہ پھر ملاقات کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، مجھے ساتھ لے گئے اور پھر دعا کرائی اور واپسی پر مجھے حکم دیا کہ بیعت ہو جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب ادام اللہ ظلہم سے درخواست کی کہ آپ مدرسہ میں تشریف لائیں اور وہیں قیام فرمائیں اور بہ اصرار تمام ان کو سفر سے روک لیا۔ ٹکٹ واپس کرا دیئے اور مدرسہ کے مہمان خانہ میں ٹھہرا دیا، روزانہ عصر کے بعد کی مجلس میں خود پابندی سے شریک ہوتے اور کھانے میں بھی برابر ہم پیالہ وہم نوالہ ہوتے۔ اس زمانہ میں مدرسہ کے کئی بڑے اساتذہ حضرت شیخ زید مجدہم سے بیعت ہوئے۔ ان کے قیام سے مدرسہ میں ذکرِ الٰہی کی ایک عجیب کیفیت و انابت الی اللہ کا ایک عجیب سماں قائم ہو گیا تھا۔

باطنی علوم کی اہمیت:

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے مدرسہ میں کوئی نہ کوئی بزرگ ہمیشہ مقیم رہے تا کہ طلباء ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم بھی حاصل کرتے رہیں۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے تعلق:

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے اخیر عمر میں بہت زیادہ تعلق بڑھ گیا تھا، وہ بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور دعائیں کرتے رہتے تھے۔ اس خصوصی تعلق کے بعد ان کی جو کتاب چھپی انہوں نے اس پر آپ سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی اور آپ نے اس پر مقدمہ لکھا۔ کراچی میں

جب تشریف لاتے مدرسہ ضرور تشریف لاتے اور حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ملکر بہت خوش ہوتے۔" (خصوصی نمبر،ص٦٦)

کتب تصوف کا وسیع مطالعہ:

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب ؒ صدرِ مجلس علمی کراچی تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کو تصوف سے گہرا لگاؤ تھا اس لئے بھی کہ یہ چیز گویا آپ کی خاندانی میراث تھی۔ مولاناؒ کے جد امجد عارف باللہ حضرت آدم بنوریؒ حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ لاکھ ہا گمراہ انسانوں کو آپ کے ذریعہ راہِ ہدایت ملی اور وہ آپ کی اعلیٰ روحانی تربیت سے فیض یاب ہوکر درجہ کمال کو پہنچے۔ ان کے حالات پر مستقل کتابیں موجود ہیں اور پھر یہ سلسلہ ان کی اولاد میں بھی برابر جاری رہا۔ حضرت مولاناؒ کے والد ماجد حضرت سید محمد زکریا قدس اللہ سرہ العزیز میدانِ تصوف کے شہسوار تھے۔ ان کے کچھ حالات اس مضمون سے ظاہر ہوجاتے ہیں جو مولانا بنوریؒ نے ان کی وفات کے بعد "بینات" میں تحریر فرمایا تھا۔ بنابریں تصوف مولاناؒ کے لئے کوئی اجنبی چیز نہ تھی بلکہ ایک معروف اور مانوس چیز تھی۔ مولاناؒ سے خود میں نے کئی بار سنا کہ میں نے تصوف کی تمام بنیادی اور اہم کتابوں کا بڑی توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ سراج الطوسی کی کتاب اللمع، قشیری کی رسالہ قشیریہ، ابوطالب مکی کی قوت القلوب، ہجویری کی کشف المحجوب، امام غزالی کی احیاء العلوم اور دیگر کئی کتابیں، شیخ اکبر اور علامہ شعرانی کی متعدد کتابیں، نیز حضرت

شاہ ولی اللہ کی کتابیں اور حضرت مجدد الفِ ثانی کے مکتوبات اور دیگر کتابیں، آخر میں حضرت تھانویؒ کی تربیۃ السالک اور التکشف وغیرہ کتابیں۔ یہ ان کتابوں میں سے صرف چند کتابوں کے نام ہیں جو حضرت شیخ بنوریؒ نے تصوف پر مطالعہ فرمائیں۔

تصوف کے اس وسیع اور گہرے علم کے ساتھ حضرت شیخ بنوریؒ نے کسی زمانہ میں اس کے عملی مراحل بھی طئے فرمائے لیکن ظاہری وضع کبھی ایسی نہیں بنائی جس سے آپ کا شیخ الطریقت ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ چونکہ ایک بلند پایہ محدث تھے اور اتباع سنت کا دل ودماغ پر غلبہ تھا لہٰذا ان بدعات سے ہمیشہ مجتنب رہے جو متصوفین کے ہاں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔"

(خصوصی نمبر، ص ۴۲۵)

حضرت بنوریؒ نے باقاعدہ سلسلۂ بیعت آگے کیوں نہیں بڑھایا:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رقم طراز ہیں:

" حضرت بنوریؒ اگرچہ شیخ طریقت تھے مگر آپ نے "افادہ واصلاح" کے لئے "پیری مریدی" کا طریق نہیں اپنایا۔ جب بھی کسی نے آپ سے بیعت کی درخواست کی اسے دوسرے اکابر سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ خود بہت کم لوگوں کو بیعت فرمایا۔ آپ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اپنے ذوق کے مطابق ہر شخص اس کی الگ توجیہ کرسکتا ہے۔ اس ناکارہ کے نزدیک تو وہی قصہ ہے جو کسی پہلے بزرگ نے فرمایا تھا: "اگر من شیخی کردم در جہان ہیچ مریدے نگذاشتم اما، مارا برائے کارے دیگر آفریدہ اند۔

اکابر کی شفقت:

بہر حال حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ کا آپ کو نوعمری میں خلافت سے سرفراز کرنا آپ کے حق میں اکابر کی شفقت کی بہت وقیع شہادت ہے۔"

(خصوصی نمبر، ص ۲۳۷)

خلاصہ طریقت:

طریقت، احسان، سلوک اور تصوف کی تحصیل تو اس لئے کی جاتی ہے کہ شریعت مزاج بن جائے اور اللہ کے کسی حکم پر عمل کرنا مشکل نہ رہے۔

قرآن رہے پیش نظر یہ ہے شریعت
اللہ رہے پیش نظر یہ ہے طریقت

اگر کسی کے پاس ظاہری علم ہے اور اس نے کسی شیخ روحانی کی صحبت بھی اختیار کر لی لیکن اس کا رنگ قبول نہیں کیا تو وہ علم صرف لفظی ہوگا، حقیقی نہیں ہوگا۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں آدمی ، آدمی بناتے ہیں

حاجی امیر خانؒ صاحب، ہمارے اکابرِ دیوبند کے مشہور خادم تھے۔ وہ رسمی عالم نہ تھے، باقاعدہ کسی درسگاہ میں پڑھا بھی نہیں تھا اور نہ کسی مدرسے کی ان کے پاس سند تھی مگر حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے۔ اس کی برکت سے ان کے علم وفکر میں کچھ ایسی گہرائی پیدا ہوگئی تھی کہ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ جیسی بحر العلوم شخصیت بھی ان سے استفادہ کرتی تھی اور ان سے سنی ہوئی روایات کا مجموعہ خود حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے مرتب کیا اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس پر اپنے قلم سے فوائد تحریر فرمائے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد:

آخر اتنی واضح بات! کون ہے جو نہ سمجھ سکے۔ پوری اسلامی ہدایات وتعلیمات کی روح اور خلاصہ بھی یہی ہے کہ زندگی اگر عشق ومحبت اور یقین ومعرفت کے جذبہ سے خالی ہے تو پھر وہ زندگی نہیں بلکہ موت ہے۔ پھر ایسی زندگی کیا؟ جس میں طبیعیں مردہ و افسردہ ہوں، علم ومعرفت اور عشق ومحبت کے سرچشمے خشک ہوں اور نور ایمان کے شعلے بجھ چکے ہوں۔ ایسی حالت میں میرے شیخ ومربی محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: "ایسے حالات میں یقین کامل اور حبّ صادق ہی حیات انسانی میں جلا پیدا کرتی ہے۔"

جب انسانی زندگی نورِ معرفت اور رنگِ ایمانی سے معمور ہو جاتی ہے تو کائنات کا ذرہ ذرہ انسان سے بزبان حال کہتا ہے ....

چھوڑ دو افکارِ باطل چھوڑ دو اغیارِ دل
سج رہا ہے شاہ خوباں کیلئے دربارِ دل

باب : ۱۲

رویائے صالحہ اور مبشرات

دنیا میں شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جسے خواب دیکھنا نہ آتے ہوں ۔ بعض اوقات نیند کی حالت میں انسان پوری دنیا کی سیر کر لیتا ہے لیکن خواب دیکھنا کیوں آتے ہیں؟ کس طرح آتے ہیں؟ اس کی کوئی حتمی توجیہ بیان نہیں کی جا سکتی ۔ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں ۔ انبیاء کرام کے علاوہ خواب کسی کے حق میں بھی قطعیت کا درجہ نہیں رکھتے ۔ لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کسی اچھے خواب کو اپنے پاکیزہ اور برگزیدہ بندوں کی مسرت و اطمینان کا سامان بنا دیتے ہیں اور کبھی اس خواب کے ذریعے آئندہ رونما ہونے والے واقعات کی طرف بھی اشارہ فرما دیتے ہیں کیونکہ فرمان نبوی کے مطابق نبوت کا چھیالیسواں حصہ مبشرات اور رویائے صالحہ کی صورت میں باقی ہے۔

سچے خوابوں کی ایک مستقل تاریخ ہے اور تعبیر خواب کا بھی ایک ذوق اور علم ہے ۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا خصوصی علم دیا گیا تھا۔

تمہارا مکان گرنے والا ہے:

علمائے امت میں ابن سیرینؒ تعبیر خواب میں بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ ان کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ میرے گھر بہت سے بادشاہ آئے ہیں۔ خوشی خوشی ابن سیرینؒ کے پاس پہنچا اور اپنا خواب بیان کیا۔ ابن سیرینؒ نے کہا فوراً گھر کی طرف بھاگو، اپنے بیوی بچوں کو اپنے گھر سے باہر نکالو اور ضروری وقیمتی اشیاء بھی نکال لو، جلدی کرو تمہارا مکان گرنے والا ہے۔ فوراً گھر پہنچا، بیوی بچوں کو نکالا تو تھوڑی دیر بعد مکان گر پڑا۔ اس نے تعبیر اپنے آنکھوں سے دیکھ لی۔ واپس ابن سیرینؒ کے پاس پہنچا کہ حضرت! آپ نے یہ تعبیر کیسے نکالی؟ ابن سیرینؒ نے فرمایا جب تم نے خواب میں بادشاہ کے آنے اور گھر میں داخل ہونے کا ذکر کیا تو میرا ذہن قرآن پاک کی اس آیت کی طرف گیا جس میں ملکہ بلقیس کی زبانی کہا گیا ہے کہ:

﴿ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً ﴾ (۲۷:۳۴)

ترجمہ: والیانِ ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو ذلیل کیا کرتے ہیں۔ (بیان القرآن)

اس لئے میں نے سمجھا کہ تمہارا مکان برباد ہو جائے گا اور تم نے دیکھ لیا کہ ایسا ہوا۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس آیت کا مفہوم شعر میں یوں بیان کیا ہے:

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ ان الملوک
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلادیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری

(بانگ درا)

اس طرح کے کئی واقعات علمائے امت نے ذکر کئے ہیں اور ان کی تعبیر و حقیقت میں مستقل تصانیف ہیں۔ ہم یہاں محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے مبشرات منامیہ خود حضرت بنوریؒ ہی کے قلم سے نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

"معارف السنن" بہت عمدہ ہے:

" جمعہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ صبح کی نماز کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ گویا سفر سے تشریف لائے ہیں اور خیر مقدم کے طور پر لوگوں کا بہت ہجوم ہے۔ لوگ مصافحے کر رہے ہیں، جب ہجوم ختم ہو گیا اور تنہا حضرت شیخ رہ گئے تو دیکھتا ہوں کہ بہت وسیع چبوترہ ہے جیسے اسٹیج بنا ہوا ہو۔ اس پر فرش ہے، اوپر جیسے شامیانہ ہو۔ بالکل درمیان میں حضرت شیخ تنہا تشریف فرما ہیں۔ دو تین سیڑھیوں پر چڑھ کر ملاقات کے لئے پہنچا۔ حضرت شیخ اٹھے اور گلے لگالیا، میں ان کی ریش مبارک اور چہرہ مبارک کو بوسے دے رہا ہوں۔ حضرت میری داڑھی اور چہرے کو بوسے دے رہے ہیں۔ دیر تک یہ ہوتا رہا۔ چہرہ و بدن کی تندرستی زندگی کے آخری ایام سے بہت زیادہ ہے، بے حد خوش اور مسرور ہیں۔ بعد ازاں میں دو زانو ہو کر فاصلہ سے باادب بیٹھ گیا اور آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کیا کہ بھول گیا کہ "معارف السنن" حاضر

کرتا۔ فرمایا میں نے نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے، اب چھٹی جلد کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو علم نہیں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بس اس کی تشریح و توضیح و خدمت کی ہے۔ بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا: "بہت عمدہ ہے"

واہ میرے پھول:

شوال ۱۳۹۴ھ میں لندن کے قیام کے دوران خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع مکان ہے، گویا ختم نبوت کا دفتر ہے۔ بہت سے لوگوں کا مجمع ہے۔ ایک طرف جا کر سفید چادر جس طرح کہ احرام کی چادر ہو، باندھ رہا ہوں۔ بدن کا اوپر کا حصہ برہنہ ہے، کوئی چادر یا کپڑا نہیں۔ اتنے میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسی ہیئت میں کہ احرام والی سفید چادر کی لنگی باندھی ہوئی ہے اور اوپر کا بدن مبارک بغیر کپڑے کے ہے، میرے داہنے کندھے کی جانب تشریف لائے اور آتے ہی مجھ سے چمٹ گئے۔ پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: "واہ میرے پھول" پھر دیر تک معانقہ فرمایا۔ میں خواب ہی کی حالت میں خیال کرتا ہوں کہ مبارک باد کے لئے تشریف لائے ہیں۔ منامات کی حیثیت مبشرات کی ہے، اس سے زیادہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ بہر حال قادیانی ناسور کے علاج سے نہ صرف زندہ بزرگوں کو مسرت ہوئی بلکہ جو حضرات دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اس سے بے حد و بے پایاں خوشی ہوئی۔ فالحمد للہ۔"

(بینات، ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ، دسمبر ۱۹۷۴ء)

زعفرانی روشنائی سے قرآن کی کتابت:

حضرت شیخ بنوریؒ کو ان کے ایک گہرے دوست الشیخ محمود الحافظ مکی نے ملک شام سے خط لکھا۔ لکھتے ہیں:

" میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ میں نے ۳ شعبان ۱۳۹۴ھ رات کو آپ کے بارے میں بہت عمدہ اور مبارک خواب دیکھا ہے جس کی آپ کو مبارکباد دینا چاہتا ہوں اور اس کو یہاں اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔

میں نے آپ کو ایسے شیوخ کی جماعت کے ساتھ دیکھا ہے جو سن رسیدہ تھے اور جن پر صلاح و تقویٰ کی علامات نمایاں تھیں۔ یہ سب حضرات اس قرآن کریم کے صفحات جمع کرنے میں مصروف تھے جو آنجناب نے اپنے قلم سے زعفرانی رنگ کی روشنائی سے بدست خود تحریر فرمایا ہے اور آنجناب کا قصد ہے کہ اسے لوگوں کے فائدہ عام کے لئے شائع کیا جائے۔ آپ نے اپنے اس ارادے کا اظہار نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ میری جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ صبح جب نمازِ فجر کے لئے اٹھا تو قلب فرحت سے لبریز تھا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی و کامرانی کا تاج پہنایا ہے۔ والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔"

(خصوصی نمبر، ص ۳۶۴)

تحریک ختم نبوت پر انعام:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ راوی ہیں کہ:

" حضرتؒ فرماتے تھے کہ تحریک کے بعد غالباً رمضان مبارک میں، میں

نے خواب دیکھا کہ ایک چاندی کی تختی مجھے عطا کی گئی ہے اور اس پر سنہرے حروف سے یہ آیت لکھی ہے: ﴿انه من سليمان و انه بسم الله الرحمٰن الرحيم﴾ میں نے محسوس کیا کہ یہ تحریکِ ختم نبوت پر مجھے انعام دیا جارہا ہے اور اس کی یہ تعبیر کی کہ مجھے حق تعالیٰ بیٹا عطا فرمائیں گے اور میں اس کا نام سلیمان رکھوں گا۔ چنانچہ اس خواب کے دو سال بعد حق تعالیٰ نے ستر برس کی عمر میں آپ کو صاحبزادہ عطا فرمایا اور آپ نے اس کا نام سلیمان تجویز فرمایا۔" (خصوصی نمبر، ص ۳۶۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوداؤد پڑھی:

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب فرماتے ہیں:

" ابوداؤد کے شروع میں فرمایا کہ: "ہم نے ابوداؤد شریف امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز سے پڑھی ہے۔ اس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، دیکھتا ہوں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوداؤد شریف پڑھ رہے ہیں۔ بے انتہا مسرت ہوئی، وہ نقشہ ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو میں نے حضرت الشیخ قدس سرہ کی خدمت میں یہ خواب عرض کیا۔ فرمایا کہ آپ کا پڑھنا قبول ہوگیا، یہ مقبولیت کی بشارت ہے۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۹۱)

النجاۃ فی علوم المصطفیٰ:

حضرت مولانا عبدالرشید ارشد صاحب فرماتے ہیں:

" ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ڈھاکہ میں ملک کے نامور

علماء کا ایک اجتماع ہوا جس میں اس بارے میں غور وفکر کرنا مطلوب تھا کہ دینی مدارس میں دینیات کے علاوہ کچھ شعبے ایسے بھی قائم ہونا چاہئیں کہ طلباء جب فارغ التحصیل ہو کر نکلیں تو وہ معاش میں کسی کے محتاج نہ ہوں اور وہ اپنی فنی تعلیم کو بروئے کار لا کر اپنے معاش سے مطمئن ہو سکیں۔ حضرت مولاناؒ بھی ڈھاکہ گئے، وہاں رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کے فرش پر بہت جلی حروف میں "النجاة فی علوم المصطفیٰ" لکھا ہوا ہے۔ مولاناؒ اس کو پڑھتے ہیں اور ساتھ خواب ہی میں بلند آواز سے اس جملہ کے ساتھ "سید السادات" کا اضافہ کرتے ہیں۔ صبح کو مولاناؒ نے اجلاس میں شرکت نہ فرمائی اور کراچی واپس تشریف لے آئے اور اپنے مدرسہ کی سند میں ان الفاظ کا اضافہ کر دیا۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۴۳)

علوم انور شاہؒ کا وارث:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا واقعہ مولانا محمد ادریس میرٹھی نقل کرتے ہیں کہ:

" حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ حضرت انور شاہ کشمیریؒ کو کسی کمرہ میں (یا حجرہ میں) بیٹھا دیکھا۔ شیخ کے سامنے ٹوٹے پھوٹے برتنوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے اور آپ کچھ متاسف سے بیٹھے ہوئے اسے دیکھ رہے ہیں۔ میں سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور شیخ کی اس حالت کو دیکھ کر کہتا ہوں کہ:" حضرت! آپ کے اس ڈھیر کی وارث تو آپ کی اولاد ہے لیکن آپ کے علوم و معارف کا وارث میں ہوں" تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیخ ندامت سے سر جھکا لیتے ہیں۔" (خصوصی نمبر، ص ۱۷۹)

عقدہ کشائی:

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب لکھتے ہیں کہ:

" آپ نے جس زمانے میں ٹنڈوالہ یار سے ترک تعلق کیا تو مستقبل کے لئے مناسب جگہ اور اپنے ادارے کے قیام کے لئے ضروری سمجھا کہ خدا سے مدد مانگی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے عازم حرمین شریفین ہوئے اور وہاں استخارہ اور استشارہ کے ذریعہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ جو مناسب ہو، اس پر عمل پیرا ہوں اور حضرت شیخ بنوریؒ پر ان دنوں بے قراری و بے کسی کی عجیب کیفیت طاری تھی۔ آپ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا انہیں دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں رہنا چاہئے یا اپنا مستقل ادارہ قائم کرنا چاہیئے اور یہ کہ کیا مدرسے سے مشاہرہ لیکر تعلیم و تدریس کا کام کریں یا طب وغیرہ کو ذریعہ معاش بنا کر بلا معاوضہ یہ خدمت بجالائیں۔ مسلسل دعائیں، مشوروں اور استخاروں کے نتیجہ میں بالآخر آپ کی عقدہ کشائی ہوئی اور مکاشفات کے ذریعہ آپ کو رہنمائی ملی کہ:

(۱) ٹنڈوالہ یار کا مدرسہ چھوڑ کر اپنا ادارہ قائم کریں۔

(۲) کوئی ذریعہ معاش نہ اپنائیں بلکہ مشاہرہ لیکر یکسوئی سے اپنے تمام اوقات تعلیم و تدریس اور دینی خدمات کے لئے وقف کردیں۔"

(خصوصی نمبر، ص ۵۶)

اللہ کی گود میں:

خوابوں کا ذکر چلا نکلا ہے تو اس سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ کا خواب ذکر کرتا چلا

جاؤں۔حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایامِ طفلی میں خواب دیکھا کہ میں گویا اللہ تعالیٰ کی گود میں بیٹھا ہوں تو ان کے دادا نے جو تعبیر خواب میں مشہور تھے، یہ تعبیر بتائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم بنو گے۔حضرت نانوتویؒ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی یہ خاص عنایت، بشارت اور انتخاب پر مجھے عارفی مرحوم یاد آ گئے۔ غالباً انہوں نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا ....

کس کے حسن رنگین کا مرقع بن گیا گلشن
ہزاروں جلوہ ہائے نو بنو لے کر بہار آئی

خدا کا ہاتھ:

احقر مؤلف نے بھی بچپن میں خواب میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ دیکھا تھا۔یہ شعور کی ناپختگی کا زمانہ تھا مگر ہاتھ دیکھنے کے خواب کا جب بھی تخیل سامنے آیا تو دل نے ہمیشہ یہ تعبیر دی کہ اللہ پاک کی نصرت شامل حال رہے گی۔اس کی غیبی مدد کے کرشمے ظاہر ہوں گے۔پھر ایسا ہی ہوا کہ بچپن میں والدِ گرامی کا انتقال ہو گیا۔غربت وافلاس کے ایام تھے۔یتیمی کی زندگی تھی، کوئی پرسان حال نہ تھا مگر اللہ کا ہاتھ سر پر رہا۔دینی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا۔

پھر کچھ خانگی حالات بگڑے، قتل مقاتلے تک نوبتیں آئیں۔تھانوں اور کچہریوں کے ایام دیکھنے پڑے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نے دست گیری کی اور علمِ دین کے راستے پر استحکام عطا فرمایا اور اب سب اللہ ہی کی عنایت ہے کہ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ بہت ہی قلیل عرصہ میں مجھ سے چالیس سے زائد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔یہ جو کچھ بھی ہے بس خدا ہی کا فضل ہے۔خواب سے یقین بڑھا کہ

اللہ کریم مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے گا۔

بن رہا ہے دل میں جو یوں پہلو میں برق مضطرب
کس کے انداز تبسم اس میں پنہاں ہو گئے
مرحلے راہِ فنا کے مجھ پر آسان ہو گئے
داغ ہائے درد سہتے شمع عرفان ہو گئے

باب : ۱۳

شانِ تفقہ، علمی بصیرت، فقہی مقام اور فتویٰ میں حزم واحتیاط

قرآن کریم میں جملہ عقائد، اخلاق اور احکام موجود ہیں لیکن اصول وضوابط کی صورت میں۔ مثلاً نماز ادا کرنے کا حکم تو ہے لیکن تعدادِ رکعات، ادائے ارکان کی ترتیب اور کیفیت کا ذکر موجود نہیں۔ اس طرح زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تو ہے لیکن مقدارِ زکوٰۃ، نصابِ زکوٰۃ اور تفصیلِ زکوٰۃ قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ گویا قرآن اجمال ہے اور اس کی تفصیل وتبیین اور شرح، محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو۔ ارکانِ نماز، قیام، قرأت، رکوع اور سجود کا ذکر تو قرآن میں ہے لیکن پوری ترکیب وکیفیت، شرح وبسط کے ساتھ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے عمل کر کے بتلائی۔ صحابہ کرامؓ نے جس طرح صاف اور نکھرا ہوا دین حضور اکرمؐ سے حاصل کیا تھا، بعد والوں کو پہنچا دیا۔

اس کے بعد ائمہ کرام، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ نے قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں تمام شعبہ ہائے زندگی میں پیش آنے والے حالات کے احکام کو جمع کیا اور مسائل کا استخراج واستنباط کیا۔ بس یہی وہ چیز ہے جو فقہ کے نام سے موسوم ہے۔ امت میں ربّ ذوالجلال نے ہر دور میں ایسے آدمی پیدا فرمائے جنہیں قسامِ ازل نے فقہی خدمت کا حظِ وافر عطا فرمایا۔

حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنے دور کے عظیم محدث، مسندِ حدیث کے تاجدار، علومِ حدیث کے ناقد و محقق تو تھے ہی مگر علمِ حدیث کے ساتھ ان کو علمِ فقہ کا بھی حصہ وافر ملا تھا۔ وہ فقاہت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ فقہی استعداد بہت پختہ اور مضبوط تھی۔ حضرت شیخ بنوریؒ کو یہ عزت وامتیاز حاصل ہے کہ وہ امام العصر محدثِ کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ ایک طویل عرصے تک حضرت شاہ صاحبؒ کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد رہا۔ فرماتے تھے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہوتا، حضرت شاہ صاحبؒ "الجواب الصحیح" لکھ کر اس کی تصویب فرماتے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میرے تحریر کردہ فتویٰ کی عبارت پر حضرت شاہ صاحبؒ نے اعتراض کیا ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات، کے بعد ڈابھیل میں تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کے فرائض بھی آپ کے سپرد تھے۔

فقہی ذوق ومطالعہ:

ایک موقع پر فرمایا:

" میں نے بھی فتوے لکھے ہیں اور بڑی تحقیق سے۔ ایک فتویٰ کے لئے کتبِ فتاویٰ کے مظان کی مراجعت کرتا تھا، بس ایک مرتبہ، الحمد للہ۔ "

غالب فقہی ذوق نے شرح ترمذی لکھادی:

حضرت مولانا مفتی عبدالسلام، حضرت شیخ بنوریؒ کی فقہی مہارت کے متعلق واقعات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" غالباً ۱۲۹۵ھ کی ابتداء میں عرب کے کوئی شیخ الحدیث (ان کا اسمِ گرامی یاد نہیں) نیوٹاؤن تشریف لائے۔ حضرت بنوریؒ سے علمی گفتگو ہوئی۔ دورانِ گفتگو انہوں نے حضرتؒ سے کہا کہ آپ نے شرح کے لئے جامع ترمذی کو کیوں منتخب کیا۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ تو صحیح بخاری ہے، آپ اس کی شرح لکھتے۔ آپ نے فرمایا: " اولاً صحیح بخاری کی عمدہ شرحیں فتح الباری، عمدۃ القاری، قسطلانی وغیرہ موجود ہیں جو اس کے حل کے لئے کافی ہیں۔ ثانیاً جامع ترمذی جس طرح حدیث کی کتاب ہے اسی طرح فقہ کی کتاب بھی ہے اور ہم لوگ حدیث وفقہ دونوں کے خادم ہیں۔"

انہوں نے پھر کہا کہ اگر یہی وجہ ترجیح ہے تو ابوداؤد میں فقہی احادیث زیادہ ہیں، آپ کو اس کی شرح لکھنی چاہیئے تھی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: "اولاً: ترمذی، ابوداؤد سے افقہ ہے۔ ثانیاً: ان کی کتاب میں صحیح وحسن اور ضعیف احادیث کو ذکر کرنے کے علاوہ علل احادیث پر بھی بحث ہے۔ ثالثاً: ترمذی نے فقہاء صحابہ وتابعین کے اختلاف کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ رابعاً: ابوداؤد کی ایسی شرحیں موجود ہیں کہ ایک محدث ان کو دیکھنے کے بعد مستغنی ہوسکتا ہے، خصوصاً مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی شرح بذل المجہود۔ مگر ترمذی کی کوئی ایسی شرح متداول نہیں جو انسان کو دوسری

شروح سے مستغنی کردے۔"

دارالعلومِ دیوبند میں صدر مفتی کے عہدۂ جلیلہ کی پیش کش:

" حضرت بنوریؒ چونکہ واقعۃً حدیث وفقہ کی گہرائیوں کے شناور تھے اس لئے دارالعلومِ دیوبند سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی علیحدگی کے بعد دارالعلومِ دیوبند کے اکابر ثلٰثہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، محقق العصر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی نگاہِ انتخاب حضرت بنوریؒ پر پڑی۔ مگر آپ اسے بعض وجوہ کی بناء پر قبول نہیں فرماسکے۔ ان تینوں بزرگوں کی یہ متفقہ دعوت حضرت بنوریؒ کی فقاہت پر اعلیٰ ترین شہادت ہے۔"

عظیم الشان فقہی خدمت:

" ۱۳۸۸ھ میں حضرت شیخ بنوریؒ نے فقہ میں درجہ تخصص کھلوایا۔ فرماتے تھے کہ دن بدن لوگوں میں فقہی بصیرت کم ہوتی جارہی ہے۔ آج بھی ان کے جامعہ میں درجہ تخصص میں جید استعداد کے فارغ التحصیل علماء کو داخلہ ملتا ہے اور ایک مقررہ نصاب کے مطابق دو سال میں فقہ وفتاویٰ، اصولِ فقہ اور تاریخ فقہ کے ذخائر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہر سہ ماہی پر ان کا امتحان ہوتا ہے۔ آخر میں کسی خاص فقہی موضوع پر مقالہ لکھتے ہیں۔ اس دوران انہیں فتویٰ نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس درجہ کا اجراء حضرتؒ کی عظیم الشان فقہی خدمت ہے۔"

مجلسِ تحقیق مسائل حاضرہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ اس حقیقت سے واقف تھے کہ فقہ حنفی کسی ایک فرد کی انفرادی آراء کا مجموعہ اور شخصِ واحد کے اجتہادی مسائل کا نام نہیں بلکہ فقہاء و محدثین کی ایک بڑی جماعت کے اجتماعی غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے منجانب اللہ بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور قریباً ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک عدالتی قانون کی حیثیت سے امت کا اس پر عمل درآمد رہا۔ حضرتؒ چاہتے تھے کہ جدید مسائل میں پھر سے اجتماعی غور و فکر سے فیصلوں کی بنیاد ڈالی جائے اور اس مقصد کے لئے ایسے علماء کے بورڈ کی تشکیل کی جائے جو فقہ میں خصوصی بصیرت و مہارت رکھتے ہوں، جو دورِ حاضر کے عمرانی تقاضوں سے واقف ہوں اور جن کے علم و تقویٰ اور فہم و بصیرت پر امت اعتماد کر سکے تا کہ جدید مسائل میں علماء کے فتاویٰ میں اختلاف و انتشار نہ ہو۔

اراکین کمیٹی:

چنانچہ آپ نے " مجلس تحقیق مسائل حاضرہ " کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل علماءِ کرام کے اسماء گرامی تھے۔

۱۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ ۲۔ مولانا مفتی محمودؒ

۳۔ مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ ۴۔ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

اس مجلس کے متعدد اجلاس ہوئے جن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادگان مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا محمد رفیع عثمانی کے علاوہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ اور دار العلوم لانڈھی کے اکابر اساتذہ بھی شرکت کرتے۔ اس مجلس

نے بہت سے اہم مسائل پر غور وفکر کیا اور متعدد مسائل پر فیصلے بھی قلمبند ہوئے مگر افسوس کہ ان اکابر کی مصروفیت کی بناء پر اس کام میں تسلسل نہیں رہ سکا۔ تاہم الحمدللہ اس کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ آئندہ اس پر عمارت اٹھانا بعد والوں کا کام ہے۔

ادارہ دعوت وتحقیق اسلامی:

حضرت بنوریؒ نے جدید موضوعات پر قرآن وسنت کی روشنی میں تصنیف و تالیف کے لئے "ادارہ دعوت وتحقیق اسلامی" کے نام سے ایک الگ ادارہ قائم فرمایا۔ اسے بھی حضرتؒ کے فقہی ماٰثر میں شمار کرنا چاہیئے۔ اس ادارہ میں چوٹی کے اہل علم اور اہل قلم حضرات تحقیقی کام کر رہے ہیں۔"

(خصوصی نمبر، ص ۱۸۳، ۱۸۴)

حضرت! آپ قاضی کیوں بنتے ہیں؟

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ خود راوی ہیں:

" ایک مرتبہ طلاق کا کوئی فتویٰ آیا جس کے بارے میں علماءِ کشمیر میں شدید اختلاف ہو گیا تھا۔ ایک فریق عدم وقوعِ طلاق کا مدعی تھا اور دوسرا فریق وقوعِ طلاق کا۔ پہلا فریق "فتاویٰ عمادیہ" کی عبارت سے استدلال کرتا تھا۔ جب یہ اختلافی فتویٰ آیا تو حضرت شاہ صاحبؒ متفکر ہو گئے کہ اس مسئلہ میں قضا کی ضرورت ہے اور تحقیقِ واقعہ کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ تحقیقِ واقعہ میں مشکلات تھیں اس لئے حضرت شیخ متفکر ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا" حضرت! آپ قاضی کیوں بنتے ہیں؟ مفتی بن کر فتویٰ

تحریر فرمادیں۔" حضرت شیخ انور شاہ کشمیریؒ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور فرمایا کہ یہ بات ٹھیک ہے اور مجھ سے کہا کہ آپ جواب لکھئے اور اس میں یہ بھی لکھیں کہ فتاویٰ العمادیہ کی عبارت سے جو فریق استدلال کر رہا ہے وہ غلط ہے کیونکہ "العمادیہ" کا صحیح مخطوطہ میں نے کتب خانہ دارالعلومِ دیوبند میں دیکھا ہے۔اس میں یہ عبارت نہیں ہے اس لئے یا تو یہ تصحیف ہے یا تدلیس، تب میں نے اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق جواب لکھا۔شیخ نے بہت پسند فرمایا۔" (خصوصی نمبر،ص ۱۱۲)

فقہی مسائل اور فتاویٰ میں آپ کا طرز وطریقہ:

حضرت شیخ بنوریؒ پورے حزم واحتیاط کے ساتھ مسائل کا جواب لکھتے۔آئے ہوئے خطوط کے جوابات لکھنے اور کتبِ فقہ کی طرف مراجعت کرنے میں آپ پر ایک خاص قسم کی محویت طاری ہوجاتی۔جب تک زیرِ نظر مسئلہ میں شرح صدر نہ ہوجاتا اس وقت تک جواب تحریر نہ فرماتے۔مذاہب متداولہ کے اصول وفروع میں آپ کو رسوخ حاصل تھا۔وسعتِ مطالعہ اور فطری صلاحیت نے آپ کو فقیہ العصر بنادیا تھا۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ جمہور حنفیہ کے مذہب کو نہ چھوڑتے اور روایتِ شاذہ کو اختیار نہ فرماتے۔ذیل میں حضرت شیخ بنوریؒ کے اپنے لکھے ہوئے چند فتاویٰ بطورِ نمونہ نقل کئے جاتے ہیں۔ان فتاویٰ سے حضرتؒ کی شانِ تفقہ، بصیرتِ علمی، حذاقتِ فقہی، عزیمتِ راسخہ اور شرعی وفقہی معاملات میں حزم واحتیاط کا مزید اندازہ ہوگا۔

معراج کی رات لمبی یا مختصر تھی:

س: معراج کی رات مختصر تھی یا لمبی یا عام راتوں کی طرح تھی؟ جواب عربی

میں لکھیں؟

(۲) استسقاء کی نماز دو رکعت ہے یا چار؟ بعض کہتے ہیں چار، بعض کہتے ہیں دو۔ جو چار کہتے ہیں ان کا قول ہے کہ ہم صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

الجواب: ليلة الاسراء والمعراج لم تكن طويلة و انما كانت مثل عامة الليالى فى حق سائر الناس ثم فى حقه صلى الله عليه و سلم يحتمل انها طالت بطئ الزمان او وقعت تلك الوقائع فى اسرع وقت و ان يرى هناك امتداد و تراخ والكل محتمل والعلم عند الله و يقول امام العصر شيخنا محمد انور شاه الديوبندى فى قصيدة له

و ابدى له طئ الزمان فعاقه

رويداً عن الاحوال حتاه ما اجرى

(۲) صلوٰة الاستسقاء ركعتان عند الكل لاخلاف فيه بين الائمة و ليس عند الصاحبين اربع نعم ان الاستسقاء لا يتوقف على الصلوٰة عند ابى حنيفةؒ. كتبه: محمد يوسف بنورى

الجواب صحيح: ولى حسن

خلاصہ: معراج کی رات عام لوگوں کے حق میں عام راتوں کی طرح تھی، طویل نہ تھی۔ لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ احتمال ہے کہ ان کے لئے رات لمبی کردی گئی ہو، یا وقت کو ٹھہرا دیا گیا ہو لیکن یہ سب احتمالات ہیں، اصل علم اللہ کو ہے۔

(۲) نماز استسقاء دو رکعت ہیں ۔ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف نہیں اور صاحبین کے نزدیک بھی نمازِ استسقاء چار رکعت نہیں بلکہ دو رکعت ہی ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استسقاء صلوٰۃ نہیں بلکہ دعا ہے۔

خطبۂ جمعہ:

س: (۱) کیا خطبۂ جمعہ میں صدرِ پاکستان کا نام شامل کر کے پڑھا جا سکتا ہے؟

(۲) کیا صدرِ پاکستان کو خلیفۃ المسلمین کہا جا سکتا ہے؟

(۳) کیا خطبۂ جمعہ میں پاکستان زندہ باد کہنا جائز ہے؟

(۴) اگر امام صاحب خطبۂ جمعہ غلط پڑھے تو خطبۂ و نمازِ جمعہ کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

(۵) کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: (۱) خطبۂ جمعہ میں کسی مملکت کے سربراہ کا نام ضروری نہیں البتہ اس کی اجازت ہے۔ اگر اسلامی مملکت ہو اور قوانین اسلامی پر چلنے والا ہو تو دعا کی گنجائش ہے۔

(۲) جب تک اسلامی محاکم شرعیہ قائم نہ ہوں، کسی ملک کے سربراہ کو خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین کہنا شرعاً درست نہیں۔

(۳) پاکستان کے لئے اس طرح دعا کرنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو صحیح اسلامی حکومت بنادے۔ صرف زندہ باد کہنا اسلامی دعا نہیں، نہ خطبۂ میں اسکی حاجت ہے۔

(۴) اگر واقعی امام خطبہ غلط پڑھے تو یہ خطبہ مکروہ ہے اور شرعی عبادت کا

اہم حصہ مکروہ ہوگیا۔ اگر نماز صحیح ادا کرتا ہے تو نماز میں اس وجہ سے کراہت نہ ہوگی کہ خطبہ غلط پڑھتا ہے۔ بہرحال امام کو ہدایت کی جائے کہ وہ خطبہ و نماز دونوں میں احتیاط کرے۔ نہ امام کو بے جا غلطی پر ضد کرنا چاہیئے نہ مقتدیوں کو زبردستی امام کو متہم کرنا چاہیئے۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا مسلمانوں کا شعار ہونا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم: محمد یوسف بنوری

وتروں میں دعائے قنوت کا مسئلہ:

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتروں میں دعاء قنوت کی جگہ پر اکثر عوام میں قل ھو اللّٰہ احد پڑھنے کا دستور ہے۔ کیا یہ یا اور کوئی سورت دعاءِ قنوت کے قائم مقام ہو جائے گی۔ اس سے نماز میں خرابی تو نہ ہوگی؟ بینوا و توجروا۔

الجواب: باسمہ تعالیٰ: دعائے قنوت حنفیہ کے نزدیک وتر میں واجب ہے، کوئی بھی دعا پڑھے وجوب ادا ہو جائے گا۔ البتہ مختار یہ ہے کہ اللّٰھم انا نستعینک ...... الخ یا اللّٰھم اھدنا فیمن ھدیت ...... الخ ہو۔ اگر دونوں کو جمع کیا جائے تو اور بھی اچھا ہے۔

اگر یہ نہ ہو تو کوئی دعا قرآن یا حدیث کی پڑھے۔ اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو تین مرتبہ اللّٰھم اغفرلی پڑھے۔ بہرحال فرض نماز کے قعدۂ اخیر میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ پڑھے۔ اس طرح وجوب ادا ہو جائے گا۔ قرآن کریم کی جو سورت دعا پر مشتمل نہ ہو، اگر وہ پڑھے تو اس سے حکم دعا ادا نہ

ہوگا۔ واللہ اعلم کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۱۶/رمضان ۱۳۸۱ھ

ٹیپ ریکارڈر سے اذان:

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس میں کہ مسجد میں مؤذن کے اذان دینے کی جگہ پر اگر ٹیپ ریکارڈر سے اذان دی جاوے یا اذان کے وقت ریکارڈ چھوڑا جاوے تاکہ اذان نشر ہو۔ کیا یہ نماز کی اذان کے لئے کافی ہے۔ نفی و اثبات کو واضح فرمائیں؟

ج: اذان شرعی عبادت ہے۔ جب تک مکلّف شرعی طریقہ سے اذان نہ دے، یہ سنت ادا نہ ہوگی۔ ریڈیو اور ٹیپ کی اذان کوئی عبادت نہیں ہے۔ اس لئے نماز کے لئے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ (TAPE RECORDER) کی اذان کافی نہیں ہے۔ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

سن عیسوی کی ترویج:

س: عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق عیسوی سنہ کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ہوا۔ اس صورت میں ہم مسلمانوں کے لئے اس کا اپنانا کہاں تک درست ہے؟

(۲) سال بھر کا کیلنڈر چھپوانا کیسا ہے؟

ج: عیسوی سن میلادی ہے، وفات کا نہیں۔ مسلمانوں کے لئے اسے ضرورۃً لکھنا درست ہے لیکن اس پر اکتفا نہ کیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ اپنی تحریرات و مراسلات میں صرف ہجری تاریخ ہو۔

(۲) کیلنڈر چھپوانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

مونچھوں کا شرعی حکم:

السوال: مونچھوں کا منڈوانا افضل ہے یا کٹوانا۔ نیز کیا باریک مشین پھرانا کٹوانے میں شامل ہے یا نہیں۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا معمول کیا تھا؟

الجواب: حنفی مذہب میں باریک قینچی یا مشین سے کٹوانا مسنون ہے۔ منڈوانا بہتر نہیں لیکن ناجائز بھی نہیں۔ صرف امام طحاویؒ کے نزدیک بہتر اور مستحب ہے۔ مسنون قص وقصر، جز، نہک مقصود وہی ہے جو اوپر تحریر ہوا۔

فقط واللہ اعلم۔ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

سمتِ قبلہ:

س: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ شریعت کی رو سے کعبہ کا رخ مغرب کی جانب ہوتا ہے یا کچھ ہٹ کر جنوب کی سمت ہوتا ہے؟ کیونکہ سابقہ زمانہ کے لوگ قطب ستارہ رات کو دیکھ کر مسجد کی بنیاد رکھتے تھے تو رخ مغرب کی طرف ہوتا تھا۔ ایک مسجد قدیم ویران ہو چکی ہے جس کو دوبارہ بنایا جا رہا ہے۔ جدید معلومات کے لوگوں نے اس کا رخ غلط بتایا اور کہا کہ قطب تارہ صرف مغرب کا رخ بتاتا ہے۔ کعبہ مغرب میں ہے بلکہ اس سے کچھ ہٹ کر جنوب کی سمت میں ہے۔ اب کیا صورت کی جائے۔ پرانے زمانہ کی مسجد کا رخ صحیح ہے یا جدید معلومات کے مطابق مسجد کا رخ ٹھیک ہے۔ اس میں

نماز پڑھنا کیسا ہے؟

ج: سمتِ قبلہ کی تعیین میں قطب تارہ سے تعیین کافی ہے۔ چند درجات کا فرق قابل اعتبار نہیں۔ جہت قبلہ، غائبین کے لئے سمتِ قبلہ ہے۔ اس کا انسان مکلّف ہے۔ جہت میں تو نوے درجے ہے۔ تعین اگر عین سمت قبلہ سے ۴۵۔۴۵ درجہ سے زیادہ انحراف نہ ہو تو استعمال درست ہوگا۔ مزید فلسفی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جہت سے بالکلیہ خروج مفسد صلوٰۃ ہوگا۔ غالباً اس وقت اتنا لکھنا کافی ہوگا۔ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

دکان کرایہ پر دینے کا معاہدہ:

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالک دکان نے ایک شخص سے دکان کرایہ پر دینے کا معاہدہ کرلیا اور جو کچھ معاوضہ حق دینے کا ہوتا ہے وہ معاوضہ بھی وصول کرلیا اور تین چار ماہ تک اصل کرایہ دکان کا بھی وصول کرتا رہا لیکن تین چار ماہ کے بعد دکان کرایہ پر دینے سے انکار کردیا اور کہتا ہے کہ چونکہ یہ دکان کرایہ پر لینے والا نائی ہے اور یہ پیشہ صحیح نہیں ہے، داڑھی مونڈتا ہے۔ کیا اس صورت میں مستاجر شرعاً مجبور ہے کہ دکان واپس کردے اور کیا مالک دکان اس پیشہ سے گنہگار ہوتا ہے اور شرعاً اجارہ کو فسخ کرنے کا حق دار ہے؟

ج: اگر مالک مکان و دکان باوجود اس کے علم ہونے کے یہ پیشہ کر رہا ہے، شرعاً مالک دکان گنہگار نہیں۔ گناہ کا مرتکب مستاجر کرایہ دار ہے لیکن اگر مالک نہیں دینا چاہتا ہے تو شرعاً اس کو دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس

صورت میں جو رقم پیشگی لی جا چکی ہے وہ واپس کرنا ہوگی۔ واللہ اعلم۔

کتبہ: محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

عالمِ بیداری میں حضورؐ کی زیارت کا حکم:

س: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ بیداری میں دیکھنا کیسا ہے؟

ج: عالمِ بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ممتنع نہیں۔ حدیث یا فقہ میں اس کی ممانعت نہیں بلکہ ایک حدیث میں ایسا اشارہ ملتا ہے۔ اربابِ قلوب اور اہلِ تصوف کے یہاں تو یہ چیز تواتر کو پہنچی ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض اکابر کی زیارت بیداری میں ہوتی ہے۔ اگرچہ بیداری کی رویت مثالی رویت ہے، عالمِ شہادت کی رویت نہیں اور نہ ہر شخص اس وقت دیکھتا بلکہ خاص مثالی رویت ہے۔ عالمِ مثال کی مثال بھی خواب جیسی ہے۔ البتہ جو خواب میں دیکھ لے وہ رؤیا کہلائے گا اور جو بیداری میں ہوگی وہ رویت ہوگی۔

ہاں! یہ ضرور خیال رہے کہ اس رویت میں ضروری نہیں کہ مرئی جن کو دیکھا جاتا ہے اس کو علم و خبر ہو۔ اس کے تصرف و قدرت کو دخل ہو۔ جیسے خواب میں کسی کو دیکھتا ہے کہ جس کو دیکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس شخص کے ارادے اور قدرت بلکہ علم کو بھی دخل نہیں ہے اور چونکہ رویت مثالی ہوتی ہے اس لئے ایک وقت متعدد اشخاص متعدد مقامات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

خواتین کا مسجد میں جانے کا مسئلہ:

س: عورتوں کے مسجد میں جانے کے سلسلہ میں افریقہ کے ایک اخبار میں بیان شائع ہوا ہے کہ رابطہ کانفرنس جو مکہ مکرمہ میں منعقد ہوئی اس میں مولانا بنوریؒ نے شرکت کی تھی اور اس میں قرارداد پاس ہوئی ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہیں روکنا چاہیئے۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ اپنی رائے سے آگاہ کریں؟

ج: تفصیلی جواب دارالافتاء نیوٹاؤن کی طرف سے جو لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ البتہ جو کچھ میرے متعلق شائع ہوا ہے بالکل غلط ہے، اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ جس اجلاس میں اس موضوع پر بحث ہوئی ہے اس میں، میں شریک نہیں تھا۔ میری رائے فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق ہے۔ جب فقہاء نے صدیوں پہلے اس فتنہ کا احساس فرما کر عدمِ خروج کا فتویٰ دے دیا ہے تو دورِ حاضر جو فتنوں کا دور ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ بنی اسرائیل میں فتنہ عورتوں سے پیدا ہوا ہے۔ اس امت میں بھی فتنہ عورتوں سے پیدا ہوگا۔ دینی مصالح کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس فتنہ کا دروازہ بند رکھا جائے۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی جلالتِ شان اور فضیلت کے بڑے معترف تھے۔ معترف کیوں نہ ہوتے کہ انہوں نے جس استاد اور مربی (حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ) کے دامنِ رشد و ہدیٰ میں تربیت پائی تھی وہ خود فرمایا کرتے کہ الحمد للہ میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں، ہر فن میں میری مستقل

رائے ہے، بجز فقہ کے کہ فقہ میں، میں کوئی رائے نہیں رکھتا۔ صرف امام اعظمؒ کا مقلد ہوں۔

حضرت شیخ بنوریؒ بھی امام ابوحنیفہؒ کا ذکر بڑی عقیدت و احترام سے ذکر کرتے اور فرمایا کرتے کہ فقہ میں امام اعظمؒ صرف امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں۔

کس کو نصیب ہے یہ ذوق کس کو بتاؤں عارفی
کتنا سرور و کیف ہے عشقِ جگر گداز میں

باب : ۱۴

محدثانہ جلالتِ قدر

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے جانثار صحابہؓ سے فرمایا: میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تم اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت کو۔ بالفاظِ دیگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام کی اساس و بنیاد ہے۔ علمائے اصولین سنت کو حدیث کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ حدیث، قرآنِ حکیم کی تفسیر ہے۔ قرآن اجمال ہے، حدیث اس کی شرح ہے۔ علوم یقیعیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و سرتاج اور فنونِ دینیہ کی اصل و اساس علمِ حدیث ہے جس میں افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا کسی بات پر آپؐ کے سکوت و رضامندی کا ذکرِ خیر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ، رشد و ہدایت کا سنگِ میل اور بدرِ کامل کا حکم رکھتی ہیں۔ جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے۔ جو بدبخت ان سے اعراض و روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

اس بنا پر امت کے لئے حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معیارِ ہدایت، ذخیرہ

سعادت اور باعثِ نجات وفلاح ہے۔علمِ حدیث بڑا وسیع علم ہے۔محدثین کرام نے علمِ حدیث کی تاریخ، تدوین، عظمت وفضیلت اور علمی و تاریخی مقام امت کے سامنے رکھ دیا ہے۔علمِ حدیث کی ان خدمات میں برصغیر کے علماء کرام کا بڑا حصہ ہے۔برصغیر میں علمِ حدیث کا ایک دور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے قبل کا ہے۔ یہ دور اگرچہ متعدد صدیوں پر مشتمل ہے لیکن اس دور میں سلسلۂ سند جو علم حدیث میں اہم، بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتا ہے، موجود نہ تھا۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انہوں نے علمِ حدیث کی خدمات میں سلسلۂ سند اور نظم وضبط قائم کیا۔اس وقت پاکستان و ہندوستان کے تمام محدثین علماء کرام کا سلسلۂ سند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔معدودے چند افراد اس سے مستثنٰی ہوں گے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی سند کے سات سلاسل ہیں اور ساتوں سلسلوں سے یہ سند ائمہ صحاح ستہ اور امام مالکؒ کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔اس لحاظ سے برصغیر میں جس کے پاس شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تک سند محفوظ اور اس کے وسائط منضبط ہوں تو وہ اپنی سند میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے وسائط کو شمار کرسکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی وجۂ بنا:

برصغیر کی عظیم علمی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اور قیام کا مقصد بھی تفقہ فی الحدیث ہے۔امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم دیوبند کی بنا کی غرض و غایت بیان فرمایا کرتے "و غاية المدرسه درس الحديث و فقه الحديث" اس مدرسہ کی بنیاد کی غرض درسِ حدیث اور تفقہ حدیث ہے۔ تمام اکابر دیوبند اپنے زمانہ میں علوم وروایت کے مسند اور مشکلات علوم اور مشکلات حدیث کے مدار تھے۔علمِ

حدیث کے حوالے سے دنیائے علم ان اکابرین کے کارناموں کو ہمیشہ یادرکھے گی۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی اپنی جامعیت کے باوجود ایک بے نظیر محدث اور فن حدیث پر کامل دستگاہ رکھنے والے انسان تھے۔آپ محدث العصر اور شیخ الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے۔حدیث آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی۔علماء کرام کے لئے ان کی شخصیت قابل رشک تھی۔

اکابر سے اجازتِ حدیث:

انہیں امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا محمد زاہد الکوثریؒ جیسے مشائخ سے اجازتِ حدیث حاصل تھی۔ساری عمر حدیث کی تدریس میں گذری۔آپ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں کافی عرصہ تک بخاری شریف سمیت حدیث کی اہم ترین کتابیں پڑھاتے رہے اور زندگی کے آخری ایام تک یہی ذوق و شغل رہا۔فنِ حدیث میں خالق کائنات نے آپ کو ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔

تدریسِ ترمذی کے لئے انتخاب:

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار راوی ہیں:

"فنِ حدیث میں آپ ابتداء سے ہی اتنے ممتاز تھے کہ ایک مرتبہ جامعہ ڈابھیل میں جامع ترمذی کے بارے میں یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ کس کے پاس رکھی جائے۔تین حضرات میں سے کسی ایک کو دینا تھی، تینوں پایہ کے عالم اور چوٹی کے مدرس تھے، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ اور ہمارے حضرت شیخ بنوریؒ۔یہ طے پایا کہ طلبہ سے رائے لی

جائے، ووٹ ڈالے گئے تو مولانا امروہویؒ کے حق میں سات، مولانا میرٹھیؒ کے حق میں تین اور ہمارے حضرت شیخ بنوریؒ کے حق میں ستائیس ووٹ آئے۔صحیح بخاری اخیر دم تک پڑھاتے رہے۔جامع ترمذی ایک طویل مدت تک نہایت تحقیق سے پڑھائی، سنن ابی داؤد کا محققانہ و مدققانہ درس آج تک طلبہ کی زبانوں پر ہے۔اسی طرح صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ، موطا مالک، موطا محمد، مقدمہ ابن صلاح وغیرہ بھی زیرِ درس رہی ہیں۔"

(خصوصی نمبر، ص ۴۷)

درسِ حدیث کی جھلکیاں:

حضرت شیخ بنوریؒ کے تلامذہ ان پر دل و جان سے نثار ہوتے تھے اور اپنی جان تک قربان کرتے تھے۔آپ کی شخصیت میں غضب کی محبوبیت تھی۔آپ کا اندازِ تدریس اور درسِ حدیث کی چند جھلکیاں آپ کے شاگردوں کے قلم سے نذرِ قارئین ہیں تاکہ اصل حقیقت سامنے آجائے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

حضرت مولانا محمد امین اورکزئی فرماتے ہیں:

حضرت اقدسؒ کی خدمت میں عمر کا ایک ثلث گزار کر اپنی نااہلی کی وجہ سے اگرچہ کچھ حاصل نہ کرسکا مگر دیکھا بہت کچھ۔یہاں ہمیں ابن سیرینؒ کے تبسم و لطافت کا، حسن بصریؒ کے تفکر و رزانت کا، امام مالکؒ کے ادب و احترام کا، سفیان ثوریؒ کے زہد و قناعت کا، امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت و ثقاہت کا، امام احمدؒ کی حق گوئی و استقامت کا اور ابن مبارکؒ کی جاذبیت و جامعیت کا عکسِ

جمیل نظر آیا۔

ہم نے بدرؒ وشہابؒ کو دیکھا:

ہم نے سیدی حضرت بنوریؒ کی صورت میں "بدرؒ وشہابؒ" کو دیکھا کہ صحیح بخاری شریف کی مشکلات کی گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔ خطابیؒ وطیبیؒ اور ابن رجبؒ کو دیکھا کہ حدیث شریف کے لطائف وظرائف بیان فرما رہے ہیں۔ مزیؒ اور ذہبیؒ کو پایا کہ رواۃ حدیث کے نام ونسب، طبقہ ورتبہ اور حالات وواقعات کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ ابن صلاحؒ وعراقیؒ کو پایا کہ مصطلح الحدیث کے نوع بنوع مسائل پر تبصرہ فرما رہے ہیں۔ غزالیؒ وشاہ ولی اللہؒ نظر آئے جو دین کے اسرار ورموز سمجھا رہے ہیں۔ رازیؒ وآلوسیؒ نظر آئے کہ قرآنی حقائق ودقائق کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جرجانیؒ وزمخشریؒ دکھائی دیئے جو قرآنِ حکیم کے وجوہِ بلاغت واعجاز سے پردے اٹھا رہے ہیں۔ راغبؒ و ابن کثیرؒ دکھائی دیئے کہ غریب القرآن اور غریب الحدیث کی شرح فرما رہے ہیں۔ ابن رشدؒ وابن قدامہؒ کو مختلف فقہی مذاہب کا مقارنہ کرتے ہوئے پایا۔ نوویؒ وابن نجیمؒ کو متفرق فقہی جزئیات وروایات کا استقصاء کرتے ہوئے دیکھا اور ملک العلماء کاسانیؒ طولانی مباحث کی تہذیب وتنقیح کرتے ہوئے نظر آئے۔

عالَم کی صورت میں عالَم:

یہاں ہم نے ابن منظورؒ اور زبیدیؒ کو بھی دیکھا کہ عربی لغت کے اوابد و شوارد کا شکار کر رہے ہیں اور ابو العتاہیہؒ اور بوصیریؒ بھی ملے جو اپنا ناصحانہ کلام

اور عاشقانہ مدیح سنا رہے تھے۔ ہم نے یہاں ابن ندیمؒ اور حاجی خلیفہؒ کے کتابیات پر محیر العقول عبور، ابن تیمیہؒ کی وسعتِ نظر، ابن قیمؒ کی سلاستِ فکر، رومیؒ کی عقل و دانش، ابن عبدالبرؒ کے رنگِ اعتدال، ابن ہمامؒ کی قوتِ استدلال، سیوطیؒ کے تبحر و توسع اور کوثریؒ کے تصلب اور تعقب کا مشاہدہ کیا۔ یہاں ہم نے جاحظ کی البیان و التبیین کی شستہ زبان سنی اور اس میں ابوزہرہؒ واحمد امینؒ کی سلاست کی حلاوت کو پایا۔

یہاں ہمیں قاسمیؒ حکمت، رشیدیؒ تفقہ، محمودیؒ عزم و ہمت، انوریؒ علم و تبحر، حسینیؒ جذبۂ ایثار و حریت، اشرفیؒ ورع و لطافت، کفایتؒ اللّٰہی استحضار اور عطاءؒ اللّٰہی رعب و جلال کا حسین گلدستہ نظر آیا اور بلاشبہ ایک عالم کی صورت میں ایک عالَم دیکھا۔

و لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ آرائی نہیں اور نہ حدیثِ خواب ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ کی صحیفۂ کردار اور کتابِ زندگی کے ہر صفحہ پر ان کمالات کی جھلکیاں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حضرتؒ کے بہت سارے کمالات ایسے تھے جن کا تعلق صرف مشاہدہ سے تھا، تحریر و تقریر کے احاطہ میں انہیں لانا ممکن ہی نہیں بلکہ بعض کا تو ادراک بھی نہ ہو سکا۔

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

ایں شرح بے نہایت کز حسن یار گفتند
حرفیست از ہزاراں کاندر عبارت آمد
قلم بشکن ، سیاہی ریز و کاغذ سوز ، و دم درکش
حسن ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

(خصوصی نمبر، ص ۲۷۷)

حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ تحریر فرماتے ہیں:

" حضرتؒ کے درس کے متعلق اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو بس یہ کہ دورانِ درس ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ ایک بحرِ ذخار موجزن ہے اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بہہ رہا ہے اور سامعین اپنی اپنی استعداد و ظرف کے مطابق مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی علمی تشنگی اور پیاس کو بجھاتے اور سیرابی حاصل کرتے ہیں اور علوم و معارف کے موتیوں کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹنے میں مشغول ہیں۔ اگرچہ حضرتؒ کی تقریر کو ضبطِ تحریر میں لانا بہت مشکل ہوتا تھا اور طلبہ درس کے وقت میں لکھنا چاہتے تو انہیں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔

درسِ حدیث کی خصوصیات:

حضرتؒ کے درسِ حدیث کی چند اہم خصوصیات درجِ ذیل ہیں:

(۱) ایک ایک حدیث سے متعلق تمام مباحث تفصیل اور پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے۔ ائمہ حقہ کے مذاہب، ان کے دلائل اور وجوہ ترجیح کے بیان میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے۔ کبھی حد سے تجاوز نہ فرماتے۔

(۲) بیانِ مذاہب میں ائمہ عظام کا ذکر غایتِ احترام اور کمالِ ادب سے کرتے۔ رجالِ حدیث کے تذکرہ میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کا ذکر کرتے۔ روایات کے شذوذ علت پر متنبہ فرماتے۔ اس سلسلہ میں تعصب مذہبی سے دامن بچاتے ہوئے صحیح موقف بیان فرماتے۔

(۳) ہر مشکل مقام پر اپنے محبوب استاد حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی رائے کا تذکرہ فرماتے بلکہ ان جملہ امور مذکورہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا اتباع کرتے۔

(۴) جب کسی کتاب کا پہلی بار حوالہ دیتے تو کتاب اور مصنف کا پورا نام ذکر کرتے۔ مثلاً امام بخاری اور صحیح بخاری کا ذکر ان الفاظ میں کرتے:

مصنف کا نام: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ

کتاب کا نام: الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و سننہ و ایامہ۔ اور اس کے ساتھ مصنف کے اجمالی حالات بقدرِ کفایت اور کتاب کے مزایا اور خصوصیات کا ذکر اس طرز سے کرتے کہ طلبہ کے اندر اتنی بصیرت پیدا ہو جائے کہ ضرورت اور حاجت کے وقت پریشانی نہ ہو اور طلبہ میں اصل مآخذ کی تلاش وجستجو کی رغبت اور شوق پیدا ہو جائے اور یہ تلاش آسان وسہل معلوم ہو اور جب حوالہ جات دینا شروع کرتے تو اس کثرت سے حوالہ جات بیان کرتے کہ سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے۔ طلبہ، حضرتؒ کی قوتِ حافظہ سے اتنے متاثر ہو جاتے کہ آپس میں اظہارِ تعجب کرتے کہ جب حضرت والا کے

حافظہ کا یہ حال ہے تو نہ معلوم حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا حافظہ کس انتہا کا ہوگا۔"

علمِ حدیث کی قدر شناسی:

حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب، دورانِ درس کا ایک دلچسپ واقعہ سناتے ہیں کہ:

" ایک دن حضرت بنوریؒ نے حدیث قلتین پر ایک گھنٹہ مفصل بحث فرمائی، جب گھنٹہ ختم ہوگیا تو فرمایا بقیہ بحث ان شاء اللہ کل ہوگی اور میں کوشش کروں گا کہ یہ بحث کل ختم ہو جائے۔ دوسرے دن جب حضرت بنوریؒ مسندِ تدریس پر فروکش ہوئے تو ایک طالبِ علم نے نہایت عجلت کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کر کے آگے عبارت پڑھنا شروع کردی۔ سارے شرکائے دورہ حیران و پریشان کہ نہ معلوم اس حماقت کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ واللہ اعلم، حضرت اقدس پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ غصہ سے حضرتؒ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا لیکن حضرتؒ نے بالکل سکوت فرمایا اور زبانِ مبارک سے کچھ نہیں فرمایا اور جب پڑھنے والے نے ایک دو حدیث تلاوت کر کے ذرا سا توقف کیا جیسا کہ عام طور پر معمول تھا کہ قاری ایک حدیث تلاوت کر کے خاموش ہوجاتا کہ حضرت تلاوت شدہ حدیث پر کچھ بیان کریں لیکن حضرتؒ پھر بھی خاموش رہے تو قاری نے نیچی نگاہ سے دوسرے رفقاء کو دیکھا، تمام ساتھیوں نے گھورتے ہوئے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

اب قاری کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا اور ندامت و شرمندگی کے

باعث اس کی زبان گنگ ہوگئی۔ ادھر حضرتؒ نے غصہ سے فرمایا کہ "پڑھو! تم بھی تو یہی چاہتے ہو کہ بس عبارت کا سرد ہو جائے" اور فرمایا کہ "یہ تو بہت آسان ہے، کتاب بہت جلد ختم ہو جائے گی۔"

لیکن عبارت پڑھنے والا حیران کہ کیا کرے، اگر پڑھتا ہے تو زبان ساتھ نہیں دیتی اور اگر نہیں پڑھتا تو حضرتؒ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور جب حضرتؒ نے دوبارہ فرمایا کہ پڑھو، اب تقریر وغیرہ کچھ نہیں ہوگی تو مجبوراً اس نے کچھ عبارت پڑھنا شروع کی۔ اس پورے وقفہ میں طلبہ کی پوری جماعت پر سکوت اور درس گاہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کسی قسم کی کوئی حرکت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ کسی طالبِ علم کو کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی۔ بالآخر دس پندرہ منٹ بعد حضرت والا اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔

حضرتؒ کے درسگاہ سے نکلنے کے بعد تمام طلبہ نے قاری کو ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن وہ صاحب جو پہلے سے اتنے شرمندہ تھے کہ زبان ساتھ نہیں دیتی تھی، اب بڑی ندامت سے تمام رفقاء کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار اور اظہارِ افسوس کیا۔

الغرض سب ساتھیوں نے متفقہ طور سے یہ طے کیا کہ حضرت والا کے درِ دولت پر حاضر ہوکر معافی کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ چند ساتھی نامزد کردیئے گئے اور وہ نامزد جماعت عصر کے بعد حضرتؒ کی قیامگاہ پر حاضر ہوکر معافی کی خواستگار ہوئی۔

حضرتؒ بالکل خوش تھے، کسی قسم کی ناراضگی کا اثر نہیں تھا۔ فرمایا کہ تم لوگوں

کے آنے کی ضرورت نہیں تھی، غصہ بالکل ختم ہو گیا ہے البتہ صبح سبق میں طبیعت پر اثر تھا اور اسی لئے اٹھ کر چلا آیا اور فرمایا کہ طلبہ میں ایسی غفلت اور ناقدر شناسی میرے لئے ناقابل برداشت ہے، خصوصاً جب کہ مقام اتنا اہم ہو اور غفلت کی یہ حالت کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ کل کا سبق ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ کچھ بحث باقی ہے۔ بہرصورت حضرتؒ نے ہماری غلطی معاف فرما کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ ہم نے پھر دوبارہ عرض کیا کہ حضرت! کل پھر بقیہ بحث قلتین کا اعادہ فرمائیں اور پورا مسئلہ ختم فرمادیں۔ حضرت اقدسؒ نے بخوشی مان لیا اور مسکرا کر فرمایا بہت اچھا۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۳۰)

افتراء علی الحدیث پر اظہارِ غم وغصہ:

حضرت مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی لکھتے ہیں:

" من کذب علی متعمدا فلیبوا مقعده من النار (الحدیث) کی روشنی میں ارشادِ نبوی میں قصد وارادہ سے یا عدم ِتدبر کی بھول وچوک سے قطع وبرید اور حذف واضافہ کے عمل کا صدمہ ہوا اور کسی ادنیٰ ترین مسلمان کو غیرت نہ آئے بالکل ناممکن ہے۔ تحفظِ فرامین وارشادات نبوی کے سلسلہ میں امت من حیث الامت کا جب عمومی مزاج ایسا ہوگا تو قافلہ حق کے ناخدا امیر المومنین خاتم المحدثین شیخ وقت کا ایسے حالات کے پیش آنے پر کیا حال ہوتا ہوگا۔ دیدہ ودل کی نگاہوں سے ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہوا یوں کہ کسی امتحان کے موقع پر بخاری شریف کے سوالیہ پرچہ میں حدیث "سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لاظل الاظله " (الحدیث:

بخاری شریف ص ۹۱، ج ۱) کا ابتدائی حصہ لکھ کر یہ پوچھا گیا کہ وہ سات خوش نصیب انسان کون کون ہیں جو قیامت کے دن سایہ خداوندی میں ہوں گے۔ چند طلبا درست جواب میں ناکام رہے لیکن پھر بھی سات کا عدد اپنی اپنی یاداشت سے پورا کرنے کی سعی نامشکور کرتے رہے۔

یہ طرزِ عمل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حذف واضافہ کے ذیل میں آتا تھا جس پر حضرت الاستاذ مولانا بنوری نور اللہ مرقدہ کا غم وغصہ دیدنی تھا۔ غلط جواب دینے والے طلباء سے اجتماعی توبہ واستغفار کرائی گئی۔ تب جا کر کہیں غصہ ماند پڑا اور اللہ اللہ کر کے دوبارہ درسِ بخاری شریف شروع ہوا۔"

(ماہنامہ القاسم، اکتوبر ۲۰۰۲ء)

علومِ انور شاہؒ کے شارح:

حضرت شیخ بنوریؒ کا اندازِ تدریس بہت آسان پیرائے میں ہوتا تھا۔ تمام طلباء حضرتؒ کی تقریر سے مطمئن ہو جاتے۔ آپ عقلی استدلال کے ساتھ ساتھ نقلی دلائل کا انبار لگا دیتے۔ آپ ایک بلند پایہ محدث اور علومِ حدیث کے ناقد ومحقق تھے۔ علمِ حدیث میں آپ کا مقام معاصر علماء سے بہت بلند تھا۔ علمِ حدیث میں آپ کے مرتبہ و مقام کا اندازہ کرنے کے لئے معارف السنن کافی ہے۔ جن لوگوں نے اس شرح کا مطالعہ کیا ہے اور ان کو فنِ حدیث سے کچھ مناسبت ہے وہ سمجھتے ہیں کہ حضرتؒ کتنے بلند پایہ محدث اور علومِ انور شاہؒ کے شارح تھے۔ معارف السنن حضرت بنوریؒ کے علم، حافظہ اور تلاش وجستجو کے ذوق کی آئینہ دار ہے۔

اس شرح میں نقول ونصوص کا ایک دریائے بیکراں موجزن نظر آتا ہے۔ اکابر

کی تحقیقات، حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ محبت اور فنِ حدیث میں آپ کی مہارت و بصیرت معارف السنن میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں اگر قیامت قریب نہیں ہے تو اس کتاب کی ضرورت باقی ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ ذیل میں معارف السنن سے چند احادیث کی تشریح نذرِ قارئین ہے۔

امامت کا استحقاق:

(۱) امام ترمذی باب الامامۃ میں حدیثِ ابی مسعود انصاری لائے ہیں جس کا پہلا جملہ ہے "یؤم القوم اقرأهم" یعنی سب سے زیادہ مستحق امامت اقرأ ہے حالانکہ جمہور فقہاء کے نزدیک "اعلم" مقدم ہے۔

شروح حدیث اور کتبِ مذاہب میں اس کی مختلف توجیہات ملتی ہیں۔ مولاناؒ اپنی طرف سے اس کی نئی شرح کرتے ہیں اس طرح کہ یہ حدیث جمہور کی دلیل بن جاتی ہے جبکہ اس کو امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اور صحابِ حدیث کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

والذی یظهر لی ان یقال ان غرض الحدیث "یؤم القوم اقرأهم " ای اذا کانوا فی العلم سواء . و هذا هو المذهب عندنا و عند الشافعیة و المالکیة جمیعاً و قرینته سیاق الحدیث "فان کانوا فی القرأة سواء فاعلمهم بالسنة " فیکون فی الجملة الاولی "ان یؤم اقرأهم " اذا کانوا فی العلم سواء ، و هذا لطیف ، فاذن یکون حدیث الباب حجة للجمهور بعد ما کان حجة علیهم .

(اور مجھے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "اقرأالقوم" اس وقت سب سے زیادہ مستحق امامت ہے جب کہ سب لوگ علم میں یکساں ہوں۔ یہی مذہب جمہور فقہاء احناف، شافعیہ اور مالکیہ کا ہے اور اس کا قرینہ سیاق حدیث میں آنا "فان كانوا فى القرأة سواء فاعلمهم بالسنة" یعنی "اگر قرأت میں سب برابر ہوں" تو اعلم زیادہ مستحق امامت ہوگا۔ تو اس کے مطابق حدیث کے پہلے جملہ میں یہ ہوگا "يوم اقرأهم اذا كانوا فى العلم سواء" یعنی علم میں برابری کے وقت اقرأالقوم امامت کا زیادہ مستحق ہوگا۔ یہ توجیہ لطیف ہے اور اب حدیث باب جمہور کی دلیل ہوجائے گی جبکہ پہلے (بظاہر) جمہور کے خلاف سمجھی جاتی تھی)

مماثلت نفس عمل میں ہے:

(۲) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے مثل گھر بنائے گا۔ شراح حدیث نے مماثلت پر اعتراض کے جواب میں مختلف توجیہات نقل کی ہیں لیکن مولاناؒ کی شرح بے غبار ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں:

والاحسن عندى ان يقال ان المثلية فى العمل نفسه والبناء بالمعنى المصدرى اى ان الله سبحانه يبنى له بيتاً فى الجنة كما هو بنى الله مسجداً فكما ان العبد خصص خالقه ببناء بيت لوجهه فكذلك الله سبحانه يخصصه ببناء بيت له

خاصة.

(میرے نزدیک سب سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ مماثلت نفس عمل اور "بنانے" میں ہے۔یعنی معنی مصدری میں، مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا جیسا کہ اس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی۔یعنی بندے نے اپنے خالق کا گھر خاص اسی کی رضا کے لئے بنایا تو بالکل اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندے کے لئے خاص طور پر گھر بنائے گا۔)

مولانا نے اس کے بعد اس شرح کی مزید وضاحت فرمائی۔آخر میں فرماتے ہیں:

و شيخنا العثمانى صاحب فتح الملهم شرح مسلم لما وقف على توجيهى هذا عجب به جداً و قال انه احسن من كل ما قيل فيه و اظهر قال و من العجيب انهم كيف تركوا هذا التوجيه الظاهر و ذهبوا الىٰ ترجيهات بعيدة .

(صاحبِ فتح الملہم ہمارے شیخ عثمانی میری اس توجیہ سے جب واقف ہوئے تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ان سب سے بہتر توجیہ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ تعجب ہے کہ شارحین نے اس توجیہ کو چھوڑ کر دوسری بعید توجیہات اختیار کیں۔)

"مسجد ہذا" کی بحث:

(۳) حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اس مسجد میں نماز دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ زیادہ ہے۔(ترمذی)

"مسجدی ہذا" میں اسمِ اشارہ ہے جس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ مذکورہ بالا اجر وثواب صرف اسی بقعہ مبارکہ کے ساتھ خاص ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ منیر میں تعمیر تھا۔ مسجد نبوی کی توسیع ہر زمانہ میں ہوتی رہی اس لئے توسیع شدہ حصے اس میں داخل نہیں ۔ اگر چہ جمہور کا یہ مذہب نہیں ہے، بعض شراح یہاں پر ایک قاعدہ اصولی سے بحث کرتے ہیں کہ مسمی اور مشارالیہ جب جمع ہو جائیں تو ان میں سے اعتبار کس کا ہوگا۔ محدث بنوریؒ ان ابحاث کو سمیٹتے ہوئے اشارہ لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں اور اس سے تخصیص کا جو شبہ ہوتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے۔

قال الراقم والاولیٰ ان یقال انما اشار الی مسجده بكلمة هذا دفعاً لتوهم دخول سائر المساجد المنسوبة اليه بالمدينة غير هذا لمسجد لا لاخراج ما سيزاد فيه .

(سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے ، اسم اشارہ لانے کی وجہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کی طرف جو دوسری مساجد منسوب تھیں ان کو اس حکم سے نکالنے کے لئے ہے۔ مسجد نبوی کی آئندہ آنے والے زمانہ میں توسیع کو خارج کرنے کے لئے نہیں ۔)

ایک مشکل حدیث کا آسان حل:

(۴) ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ لفظ ہیں " ولا يؤم قوما

فیخص نفسه بدعوة دونهم فان فعل فقد خانهم" جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی امام نماز میں صرف اپنے لئے دعا نہ کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو خیانت کا مرتکب ہوا۔

حدیثِ مندرجہ بالا شراح حدیث کے لئے بہت مشکل واقع ہوئی ہے کیونکہ نماز کی بعض ماثور دعائیں بصیغہ افراد واقع ہوئی ہیں یہاں تک کہ ابن خزیمہ نے تو اس حدیث کو موضوع تک کہہ دیا ہے۔ دوسرے حضرات نے کچھ توجیہات کی ہیں لیکن ان سے اطمینان نہیں ہوتا۔

مولانا بنوریؒ فاضلانہ اور عمدہ توجیہ کرتے ہیں اور اپنے شیخ کی کسی یادداشت کو سامنے رکھ کر اشکال کا جواب دیتے ہیں:

" اس سے دعاء کا صیغہ مراد نہیں ہے کہ جمع متکلم کا صیغہ لائے، واحد متکلم نہیں لائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ امام پر نماز کی حالت میں کیفیت دعاء طاری ہوجائے اور وہ دعا پر مجبور ہوجائے تو اس حالت میں صرف اپنے لئے دعا نہ کرے بلکہ سب مقتدیوں کے لئے یہی دعا کرے کیونکہ یہ کیفیت دعا امام پر طاری ہوتی ہے، مقتدیوں پر نہیں تاکہ وہ بھی دعا کر لیتے۔ لہٰذا تخصیص سے مراد "اختصاص بوجود الدعاء" ہے نہ کہ " تخصیص بصیغة الدعاء"

مالِ حرام کے صدقہ پر ثواب کی امید:

قوله : لا صدقة من غُلول . الغلول بالضم الخيانة فى الغئ والمغنم .

یعنی غُلول ضمِ غین کے ساتھ مالِ غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں اور اصل

میں مالِ غنیمت کے تقسیم سے پہلے مال چوری کرنے کو غلول کہا جاتا ہے۔ پھر اس لفظ میں توسیع ہوگئی اور اس سے مراد ہر خبیث وحرام مال ہے۔

یہاں حضرت بنوریؒ مسئلہ تصدق بالمال الحرام میں مختلف اقوال ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہائے احناف کے نزدیک اگر کسی نے کسی فقیر فقیہ کو مالِ حرام سے کچھ دیا بہ نیتِ ثواب تو یہ کفر ہے، **کما ذکر ابن عابدین فی درمحتار شرح الدر المختار فی مواضع متعددہ ۔**

پھر حضرت شیخ بنوریؒ اپنے استادِ محترم علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہماری فقہ کی کتابوں سے یہ مسئلہ مستفاد ہے کہ جو شخص کسی مالِ حرام کا مالک بنے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو اور نہ اس کو واپسی کا کوئی طریقہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ مساکین وفقراء پر صدقہ کریں بغیر نیتِ ثواب کے۔ لیکن علامہ ابن القیمؒ نے بدائع الفوائد میں فرمایا ہے کہ تصدق کی صورت میں ثواب ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان اقوال میں تعارض ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں۔ (۱) ایک حکم شارع کی تعمیل اور امتثال امر۔ امیدِ ثواب اسی امتثال امر پر ہے۔ (۲) دوسرا تصدق مال حرام سے اور ثواب کی توقع اسی مال سے۔ پس تعارض مدفوع ہے اس لئے کہ جن فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مالِ حرام کی تصدق میں توقع ثواب کرنا درست ہے، ان کی مراد وہاں امتثال حکمِ شارع ہے کہ چونکہ یہ بھی شارع کا ایک حکم ہے اور اس کے امتثال وتعمیل پر امیدِ ثواب جائز ہے اور جنہوں نے نیتِ ثواب کرنا کفر قرار دیا ہے ان کے ہاں

مرادثواب کی امیداسی نفس مالِ حرام سے ہے اور یہ بھی درست ہے۔

زندگی کا مقصدِ اولین:

جن علمائے ربانی کو اللہ تعالیٰ علوم لدنی عطا فرماتے ہیں وہ نورِ علم کی روشنی میں ایسی ایسی باتیں بتلاتے اور سکھلاتے ہیں جو عام کتابوں میں نہیں ملتیں۔ حضرت بنوریؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ وصف عطا فرمایا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں ایسے حقائق و معارف اور نکات بیان کرتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ حضرت شیخ بنوریؒ ان شخصیات میں سے تھے جنہوں نے اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگی علومِ اسلامیہ کی متنوع خدمات کے لئے وقف کردی تھی، خصوصاً علمِ حدیث سے حضرتؒ کو عشق و فریفتگی کا تعلق تھا۔ اس کی نشر واشاعت کو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصدِ اولین قرار دے رکھا تھا۔ حدیث کی تدریس، اشاعت و خدمت کے سلسلہ میں حضرت بنوریؒ کی مساعی اس دور میں اجتہادی شان اور احیاء کا رنگ رکھتی ہیں۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو زدامان گلہ دارد

باب : ۱۵

ذوقِ تصنیف وتالیف اور قلمی شہ پارے

تصنیف وتالیف کا ذوق اور ملکہ ایک وہبی چیز ہے۔ کتابیں پڑھنا جس قدر آسان ہے، کتابیں لکھنا اس قدر مشکل۔ اکابر علماء دیوبند کورب حکیم نے ورع وتقویٰ، قوتِ حافظہ اور ذکاوت وذہانت کی دولت کے ساتھ ادبی اور تصنیفی ذوق سے بھی حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس جماعتِ حقہ کے ایک فردِ فرید محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ قدرت نے آپ کو شروع سے ہی تصنیف کا ملکہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں ہی لکھنے کی مشق شروع کردی تھی۔ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو خالق کائنات نے اعلیٰ درجہ کا تصنیفی ذوق اور سلیقہ عطا فرمایا تھا۔

مثلِ خورشیدِ سحر ، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد ، معانی میں دقیق

دعوتی ودینی وملی میدانوں میں سرگرمِ کار رہتے ہوئے حضرت شیخ بنوریؒ نے

مختلف اسلامی موضوعات، ردِفرقِ باطلہ اور باطل افکار ونظریات کی تردید اور دین اسلام کی نشر واشاعت پر گراں قدر مقالات، مضامین اور تصنیفات لکھیں۔ آپ ایک بلند پایہ ادیب تھے۔ علم وفضل کے اعتبار سے آپ کا مرتبہ ومقام بہت بلند تھا۔ عربی، فارسی اور اردو میں آپ کو عبورِ کامل تھا۔ آپ کے قلم میں بلا کی روانی، طوفان کی تیزی اور تلوار کی کاٹ تھی۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا، لکھنے کا حق ادا کردیا۔ آپ نہایت انوکھے اور اچھوتے انداز میں لکھتے اور دلائل و براہین کے انبار لگادیتے۔ آپ کے قلم میں جہاں اعلاء اسلام، دین بیزاروں اور باطل پرستوں کے لئے فولاد کی سی سختی اور ضربِ یدِ الٰہی کا اثر تھا، وہاں اکابر اور بزرگانِ دین کے حق میں وہ ابریشم سے زیادہ نرم و گداز تھا۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

نفحۃ العنبر کا مصنف:

حضرت شیخ بنوریؒ کی تصانیف عربی میں ہیں جو عربی ادب کا شاہکار ہیں۔ آپ کی تصانیف اہلِ عرب پڑھ کر حیرت میں رہ جاتے تھے کہ ایک غیر اہلِ لسان، ایک عجمی بھی اتنی اعلیٰ عربی لکھ سکتا ہے۔ حضرتؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اردو سے زیادہ عربی میں لکھنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ اس سلسلہ میں حضرتؒ نے ایک عجیب واقعہ سنایا کہ مصر کے ایک بہت بڑے عالم نے (جو اس وقت تک حضرتؒ سے بالمشافہ متعارف نہیں تھے) خود آپ کے سامنے اس رائے کا اظہار کیا کہ ان کے خیال میں سرزمین ہند میں انور شاہؒ سے بڑا عالم پیدا نہیں ہوا اور یہ کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کو شاہ

عبدالعزیز محدث دہلویؒ پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ حضرتؒ نے ان کے اس فیصلے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ انور شاہؒ کی سوانح "نفحة العنبر" کے مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ:

"یہ تو آپ کا یک طرفہ فیصلہ ہوا، جس قلم نے شیخ انور شاہؒ کی سوانح لکھی ہے، اگر اسی نے شاہ عبدالعزیزؒ کی سوانح بھی لکھی ہوتی اور آپ نے دونوں کے مطالعہ کے بعد ان دونوں شخصیتوں کا موازنہ کر کے یہ فیصلہ کیا ہوتا تب آپ کا فیصلہ محققانہ کہلاتا مگر افسوس ہے کہ جس قلم نے انور شاہؒ کی سوانح لکھی اس نے شاہ عبدالعزیزؒ کی سوانح نہیں لکھی۔"

اس کے بعد فرمایا:

"یا شیخ ! اتدری من تفاوض ؟ انت تفاوض من صاحب النفحة العنبر"

(جناب کو معلوم ہے کہ آپ کس سے گفتگو کر رہے ہیں؟ آپ کا مخاطب خود "نفحة العنبر" کا مصنف ہے۔)

یہ سننا تھا کہ وہ آپ سے لپٹ گئے اور آپ کے سحر آفرین قلم سے بڑھ کر آپ کی نکتہ رسی اور حاضر جوابی کی داد دینے لگے۔

جاحظ کی زبان:

" جب حضرت بنوریؒ نے اپنے شیخ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی سوانح نفحة العنبر لکھی تو علمائے ہند مفتی کفایت اللہؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اکابر نے تو خراجِ تحسین پیش کیا، عرب کے علماء نے

بھی اس کتاب کی ادبیت اور فصاحت و بلاغت کے سامنے سر نیاز خم کیا اور اس کی عربیت کو جاحظ کی زبان کے ہم رنگ قرار دیا ہے۔ایک چوٹی کے عرب عالم نے آپ کو لکھا تھا "یا شیخ ! قرأت کتابک . نسجدت لبیانک۔" (خصوصی نمبر،ص ۸۱۲)

جزالت وسلاست کا امتزاج:

دارالعلوم کراچی کے نائب مہتمم حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی ، حضرت بنوریؒ کے عربی زبان وادب میں کمال کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" اللہ نے حضرت شیخ بنوریؒ کو عربی تقریر وتحریر کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا وہ اہل عجم میں شاذ و نادر ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔خاص طور سے ان کی عربی تحریریں اتنی بے ساختہ، سلیس رواں اور شگفتہ ہیں کہ ان کے فقرے فقرے پر ذوقِ سلیم کو حظ ملتا ہے اور ان میں قدیم و جدید اسالیب اس طرح جمع ہوکر یکجاں ہو گئے ہیں کہ پڑھنے والا جزالت اور سلاست دونوں کا لطف ساتھ ساتھ محسوس کرتا ہے۔

حضرت بنوریؒ کی تحریروں میں اہل زبان کے محاورات ضرب الامثال اور استعارے ایسی بے تکلفی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ بہت سے عربوں کی تحریروں میں بھی یہ بات نہیں ملتی ۔ نفحۃ العنبر تو ایک طرح سے خاص ادبی تصنیف ہے لیکن معارف السنن اور یتیمۃ البیان جیسی ٹھوس علمی اور تحقیقی تصانیف میں بھی ادب کی چاشنی اس انداز سے رچی بسی ہوئی ہے کہ وہ نہایت دلچسپ اور شگفتہ کتابیں بن گئی ہیں۔

دینی حمیّت وتصلّب:

حضرت مولانا بنوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے حق کے معاملے میں غیرت وشدت کا خاص وصف عطا فرمایا تھا۔ وہ اپنی انفرادی زندگی اور عام برتاؤ میں جتنے نرم، خلیق اور شگفتہ تھے، باطل نظریات کے بارے میں اتنے ہی شمشیر برہنہ تھے اور اس معاملہ میں نہ کسی مداہنت یا نرم گوشے کے روادار تھے اور نہ مصالح کو اہمیت دیتے تھے۔ بعض اوقات ان کی کسی تحریر یا تقریر کے بارے میں یہ شبہ گزرتا تھا کہ شاید یہ عام دینی مصالح کے خلاف ہو، لیکن چونکہ ان کے اقدامات کا محرک للّٰہیت اور اخلاص کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اقدامات میں برکت عطا فرماتے، ان کے بہتر نتائج ظاہر ہوتے اور "لاکھ حکیم سربجیب ایک کلیم سربکف" کا عملی مشاہدہ ہوتا۔ چنانچہ باطل فرقوں اور نظریات کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ سے بڑا کام لیا۔ انکارِ حدیث کا فتنہ ہو یا تجدد اور قادیانیت کا، مولاناؒ ہمیشہ ان کے تعاقب میں پیش پیش رہے۔ اس کے علاوہ جس کسی نے بھی قرآن وسنت کی تشریح میں جمہورِ امت سے الگ کوئی راستہ اختیار کیا، مولاناؒ سے یہ برداشت نہ ہوسکا کہ اس کے نظریات پر سکوت اختیار کیا جائے۔ مولاناؒ کو خاص طور سے اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ علمائے دیوبند کا مسلک کسی غلط نظریے سے ملتبس نہ ہونے پائے اور سیاسی سطح پر کسی شخص کے ساتھ علمائے دیوبند کے اتحاد وتعاون سے یہ مطلب نہ لے لیا جائے کہ علمائے دیوبند اس شخص کے نظریات کے ہم نوا ہیں۔" (خصوصی نمبر، ص ۶۹۰)

تصنیفات کا مختصر تعارف:

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی علمی رفعت، مرتبہ ومقام اور تصنیفی وتالیفی ذوق اور ہمہ جہت خدمات کا تذکرہ مجھ گناہ گار کے احاطہ ادراک سے کہیں بلند ہے۔ ذیل میں حضرتؒ کی تصنیفات کا مختصر سا تعارف پیش خدمت ہے۔

(۱) معارف السنن شرح سنن الترمذی:

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا درس دیا کرتے تھے۔ ان کا درس علوم ومعارف کا ایک عظیم سمندر ہوتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ چونکہ املاء نہ کراتے تھے اس لئے دورانِ درس ضبط وتحریر صرف وہی حضرات کر سکتے تھے جو اعلیٰ دماغی، ذہنی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ لکھنے کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ العرف الشذی کے نام سے حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ افادات اگرچہ شائع ہوئے ہیں لیکن خود شاہ صاحبؒ نے یہ محسوس کیا کہ ترمذی کی ایک جامع شرح ہونی چاہیئے جوان خصوصیات کو بھی جامع وحاوی ہو جن سے العرف الشذی محروم ہے۔ چنانچہ حضرت بنوریؒ نے جدید ترتیب کے ساتھ چھ جلدوں میں ایک کتابی شکل میں تالیف کیا۔ افسوس یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی ورنہ علومِ نبوت کے شائقین اور حدیث کے پڑھانے والوں کے لئے بے بہا ذخیرہ ہوتی۔ اس میں حسبِ ذیل امور کی رعایت کی گئی۔

(۱) مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے افادات کا حصول۔

(۲) مولانا تھانویؒ کی آثار السنن پر تعلیقات سے استفادہ۔

(۳) حسن تعبیر وترتیب کی کاوش۔

(۴) ہر حدیث پر اصولی، فقہی اور لغوی بحث۔

(۵) مغلقات کتاب کی آسان اور فصیح و بلیغ انداز میں تشریح۔

بلاغتِ بیان، حسنِ ترتیب، اوزان کلمات اور سہل عبارات کا مرقع ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے افادہ کو عام کرنے کے لئے اسے اردو میں منتقل کیا جائے تاکہ قانون اسلامی میں دسترس کا شوق رکھنے والے ایسے حضرات جو عربی زبان میں مہارت نہیں رکھتے، اس سے استفادہ کرسکیں۔

(۲) عوارف المنن مقدمہ معارف السنن:

مستقل کتابی صورت میں ایک جلد پر مشتمل ہے۔ دوتہائی حصہ چھپ چکا ہے۔ اس کا باقی ماندہ حصہ شائع کر کے اس کو مکمل کرنا چاہیئے۔

(۳) بغية الاريب فی مسائل القبلة والمحاريب:

اپنے موضوع پر عربی میں منفرد کتاب ہے۔ قاہرہ سے ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوچکی ہے۔ آجکل نایاب ہے۔

(۴) تیمیة البیان فی شئ من علوم القرآن:

علومِ قرآن پر ایک بے نظیر علمی شاہکار ہے جو دراصل امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب مشکلات القرآن کا مقدمہ ہے۔

(۵) نفحة العنبر فی حیاةِ امام العصر الشیخ محمد انور:

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ آپ کے محبوب استاد تھے۔ جب حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر چھڑتا تو آپ پر وجد، عشق، محبت، والہیت، وارفتگی اور جنون کی کیفیت طاری ہوجاتی۔

آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں

زلف کی، رخسار کی باتیں کریں

شیخ کے ارشادات من وعن انہی کے لب ولہجہ میں نقل کر کے فرماتے۔ واللہ هذا لفظه، واللہ هذا لفظه۔ قیس عامری کے بارے میں عارف رومی نے فرمایا:

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم

خاطر خود را تسلی می دھم

حضرت شاہ صاحبؒ کے ذکر سے بھی حضرت بنوریؒ کے دل کو تسکین ہوتی اور بے اختیار فرماتے: و اللہ لم یر مثله ۔ اپنے محبوب شیخ کے علمی کمالات وحالات کا مرقع حضرت بنوریؒ نے اس کتاب میں نہایت عمدہ عربی ادب میں پیش کیا ہے۔

(٦) الاستاذ المودودی ومن شیٔ من حیاتہ وافکارہ:

اس کتاب میں حضرت شیخ نے مودودی صاحب کے ان نظریات وافکار کو پیش کیا جن سے عام لوگ ناواقف ہیں اور خود حضرت دیانتدارانہ بنیاد پر ان عقائد کو غلط سمجھتے تھے۔

ذوقِ طباعت واشاعت:

حضرت مولانا لطف اللہ پشاوری لکھتے ہیں:

" حضرت کشمیریؒ کی تقریر ترمذی، جو دیوبند میں سنن ترمذی پڑھاتے وقت طلبہ کے سامنے کرتے تھے، وہ تو مولانا محمد چراغ صاحب نے دیوبند میں جمع کر کے شائع کردی تھی لیکن حضرت کشمیریؒ کی صحیح بخاری کی تقریر زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی تھی۔ مولانا سید بدرِ عالم نے جو تقریر بخاری پڑھتے

وقت قلم بند کی تھی، اسے بڑی محنت سے مرتب کیا اور مولانا بنوریؒ نے وہ بھی "فیض الباری" کے نام سے مصر میں چھپوائی۔ دونوں کتابوں کی طباعت ایسے عمدہ کاغذ اور دیدہ زیب ٹائپ پر کروائی کہ ہندوستان کے لوگ اس زمانہ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی طباعت پر مولاناؒ نے بڑی محنت کی۔ ان پر مقدمے لکھے، نصب الرایہ کا مقدمہ شیخ کوثری سے بھی لکھوایا۔

نصب الرایہ کی طباعت کیلئے مصر کا سفر:

حضرت شیخ بنوریؒ نے کئی مرتبہ قاہرہ (مصر) کا سفر کیا۔ اس مرتبہ مولانا بنوریؒ کا مصر کا سفر "نصب الرایہ للزیلعی" کی طباعت کی غرض سے تھا۔ حافظ زیلعی نے اس کتاب میں ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ یہ کتاب مذہبِ حنفی کی تائید میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی بڑی تمنا تھی کہ یہ مجموعۂ احادیث طبع ہو جائے۔ مولانا بنوریؒ نے اس کی طباعت کے لئے برادران کو ترغیب دی تاکہ استاذِ محترم کی تمنا پوری ہو جائے۔" (خصوصی نمبر، ص ۴۷)

مجلسِ علمی کا قیام اور تاریخی کام:

علامہ ڈاکٹر خالد محمود (انگلینڈ) فرماتے ہیں:

" آپ جب دیوبند سے ڈابھیل تشریف لائے تو ذوقِ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تالیف و اشاعت کی طرف بھی توجہ کی۔ آپ کا ذہن تدریس پر قانع نہ تھا۔ اونچی کتابوں کے درس کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک بلند پایہ مجلسِ علمی قائم کی۔ اس طرف کے بہت سے رؤسا جنوبی افریقہ میں

آباد تھے، وہ مجلس کی سرپرستی کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ مجلس ہندوستان میں ایک معروف دارالاشاعت بن گئی۔ مجلسِ علمی نے حدیث اور دوسری مہماتِ اسلام پر گرانقدر تالیفات شائع کیں۔ فیض الباری علیٰ صحیح البخاری اسی مجلس کی یادگار ہے۔ حافظ الحدیث علامہ جمال الدین زیلعی کی نصب الرایہ چار ضخیم جلدوں میں مصر کی نفیس طباعت کے ساتھ اسی مجلسِ علمی نے شائع کی۔ بغیۃ الالمعی کے نام سے اس پر تحقیقی حاشیے لکھوائے۔ کتاب اجح تک اس کا حاشیہ محدث پنجاب حضرت مولانا عبدالعزیزؒ (گوجرانوالہ) کا لکھا ہوا ہے۔ مجلسِ علمی نے اس کتاب کو بڑی آب وتاب سے شائع کیا۔ مولانا بنوریؒ کا بلادِ عربیہ کا پہلا سفر اسی مجلسِ علمی اور اس کی تالیفات کی اشاعت کے لئے تھا۔ اس سے آپ کے ذوقِ تالیف واشاعت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے اپنے اس سفر میں مختلف مراکزِ علمی میں عربی میں بلند پایہ تقاریر کیں اور یہیں آپ کے عربی ذوق کو مزید نکھرنے کا موقع ملا۔

"المصنف" عبدالرزاق کا تحشیہ واشاعت:

آپ جب کراچی تشریف لائے تو مجلسِ علمی بھی ساتھ لائے۔ کراچی میں آپ کی سرپرستی میں مولانا محمد طاسین اس مجلس کے نگران ہیں۔ علمی کتابوں کی تدوین جدید میں آپ عالمی شہرت کے مالک تھے۔ حدیث آپ کا موضوعِ زندگی تھا۔ دنیا میں جہاں کہیں حدیث کا کوئی نادر ذخیرہ مطلوبِ اشاعت ہوتا، آپ کا مشورہ اور آپ کی مدد اس کے لئے ضروری سمجھی جاتی۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی محدث عبدالرزاق صنعانی (۲۱۱ھ) کی کتاب "المصنف" کے

تحشیہ واشاعت میں آپ کے تعاون سے کامیاب ہوئے۔اس طرح بیسیوں علمی ذخائر ہیں جن کی نشر و تحقیق اور تالیف و اشاعت میں حضرت بنوریؒ نہایت خاموشی سے کام کرتے رہے۔" (خصوصی نمبر،ص ۴۸۷)

قلمی شہ پارے:

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کافی عرصہ تک ماہنامہ بینات میں "بصائر وعبر" کے نام سے اداریہ لکھتے رہے۔ان اداریوں کی اہمیت آج بھی مسلم ہے۔افادیت عامہ کے پیش نظر ان اداریوں کے کچھ اقتباسات شاملِ اشاعت کئے جارہے ہیں۔

سیاست، ترقی اور ثقافت:

" بدقسمتی سے عالم کی زمامِ قیادت کافی عرصہ سے خدانا شناس تہذیبوں اور بددین قوموں کے ہاتھ میں ہے جن کے یہاں (الا ماشاء اللہ) دین و دیانت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور شرم وحیاء، عفت وعصمت، غیرت و حمیت کا لفظ ان کی لغت سے خارج ہے۔ان کے نزدیک مکر وفن اور دغا و فریب کا نام "سیاست" ہے۔انسانیت کشی کے وسائل و اسباب کا نام "ترقی" ہے۔فواحش ومنکرات کا نام "آرٹ" ہے۔مردوزن کے غیر فطری اختلاط کا نام "روشن خیالی" اور "خوش اخلاقی" ہے۔پردہ دری اور عریانی کا نام "ثقافت" ہے اور پسماندہ ممالک ان کی تقلید، اندھی تقلید اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں اس لئے آج سارے عالم میں فتنوں کا دوردورہ ہے۔"

(بصائر وعبر، شعبان المعظم، ۱۳۸۸ھ)

علمائے کرام کی ذمہ داری:

" علماء پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کامل اخلاص اور پوری تندہی سے اس وقت کام کریں۔ وہ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو عزت دی ہے وہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کا صدقہ ہے۔ مسلمانوں میں ہماری کچھ عظمت واحترام اور ادب ہے، وہ سب اللہ کے دین سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ آج اس ملک میں اسلام پر جو کچھ گزر رہا ہے یا گزرنے والا ہے اس میں علمائے کرام کیا کردار ادا کریں گے؟ دنیا کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں، علماء جو کچھ کریں گے تاریخ اپنے سفینوں میں اور قوم اپنے سینوں میں اس کو ہمیشہ محفوظ رکھے گی۔"

(بصائر وعبر، محرم الحرام، ۱۳۸۹ھ)

نبوت کا اعجاز:

" آج ٹیلیویژن کی ایجاد پر دنیا محوِ حیرت ہے اور اسے سائنسی معجزہ کہا جاتا ہے لیکن نبوت ٹیلیویژن اور لاسلکی نظام کی رہین منت نہ تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان اسباب کے بغیر عالمِ غیب لا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور مسجدِ نبوی کی دیوار قبلہ میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ بحالت نماز کسوف کرا دیا جاتا ہے۔" (بصائر وعبر، جمادی الثانیہ، ۱۳۸۹ھ)

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت:

" حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو تمام انبیاءِ

سابقین وملوک، صالحین و عابدین کے کمالات کا وارث بنایا گیا اور ایسی جامعیت عطا فرمائی کہ تمام مناصبِ اصلاح خواہ دعوت وتبلیغ کے ہوں یا جہاد و قتال کے یا نظمِ مملکت کے، آپؐ کی ذاتِ بابرکات میں جمع کر دیئے گئے تھے۔ بیک وقت آپ داعی الی اللہ بھی تھے اور حاکمِ اعلیٰ بھی اور قائدِ جیوش بھی۔ آپؐ کے خلفاءِ راشدین بھی آپؐ کی صفاتِ کمال کے صحیح جانشین تھے۔" (بصائر وعبر، ذی الحجہ، ۱۳۸۸ھ)

" خلافتِ راشدہ کا بابرکت دور علم وعمل، صلاح وتقویٰ، فقر وزہد، ایثار و قربانی اور اخوت ومساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا جس کے آثار وبرکات نے عرصۂ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔"

(بصائر وعبر، ذی الحجہ، ۱۳۸۸ھ)

تحریکِ آزادیٔ نسواں:

" ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت وتقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت ونزاہت سے چاند بھی شرماتا تھا، اسے پردہ سے باہر لاکر ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام اس سے لیا گیا۔ جدید تہذیب میں عورت زینت خانہ نہیں، شمع محفل ہے۔ اس کی محبت خلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لئے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی و زیبائی تماشائے عالم ہے۔ وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں نامحرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں بلکہ وہ بازار کی رونق ہے۔ آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی، اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہو سکتی ہے؟

کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا یہی آزادئ نسواں ہے جس کے لئے گلے پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے ہیں۔"

(بصائر وعبر، جمادی الاخریٰ،۱۳۹۲ھ)

حضرت شیخ بنوریؒ بلا تکلف لکھتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ادھر لکھا، اُدھر پریس میں چھپنے چلا گیا اور دوبارہ نظر ثانی کا موقع ہی نہیں ملا۔ بصائر وعبر ماہنامہ "بینات" کے ماتھے کا حسین جھومر ہوا کرتا تھا اور اشتیاق سے پڑھا جاتا تھا۔

وہ شیشے، وہ پیمانے جو زینت محفل تھے
کچھ ٹوٹ چکے ساقی، کچھ ٹوٹ چلے ساقی

باب : ١٦

دعوت و تبلیغ اور تبلیغی جماعت

تبلیغ کے لفظی معنی ہیں پہنچانا یا پہنچادینا۔ تبلیغِ اسلام یہ ہے کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچا دیا جائے۔ حضرت محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیفیں اٹھا کر اور اذیتیں جھیل کر لوگوں تک اللہ کا دین پہنچایا اور آج امت کا ہر فرد اپنی بساط بھر لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کا پابند ہے۔ دعوت و تبلیغ دین کا بنیادی کام ہے اور امتِ محمدیہ کی اولین ضرورت یہی ہے کہ ان کے قلوب میں پہلے صحیح ایمان کی روشنی پہنچ جائے۔

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرمایا کرتے تھے:

" ہمارے نزدیک اس وقت امت کی اصل بیماری دین کی طلب و قدر سے ان کے دلوں کا خالی ہونا ہے۔ اگر دین کی فکر و طلب ان کے اندر پیدا ہو جائے اور دین کی اہمیت کا شعور و احساس ان کے اندر زندہ ہو جائے تو ان کی اسلامیت دیکھتے دیکھتے سرسبز ہو جائے۔ ہماری جماعت کا اصل مقصد اس وقت بس دین کی طلب و قدر پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے نہ کہ کلمہ اور نماز وغیرہ کی تصحیح و تلقین۔ "

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ میں دین حق کی دعوت واشاعت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی جذبۂ دعوت وتبلیغ کے تحت انہیں حضرت مولانا الیاسؒ کی جماعت اور تحریک سے بہت لگاؤ تھا۔ حضرت شیخ بنوریؒ ایک فکر تھے، ایک دعوت تھے، ایک تحریک اور اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کی شخصیت بڑی متنوع کمالات وفضائل کی جامع تھی۔ وہ ترجمانِ قرآن، ذواقِ حدیث، صاحبِ دل درویش، صاحبِ فراست مربی، مجاہدِ ختمِ نبوت، باطل افکار ونظریات کے خلاف جانباز سپاہی، کامیاب سوانح نگار اور صاحبِ بصیرت داعی و مبلّغ تھے۔

مولانا مرحوم کے تبلیغی کارنامے:

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، محدث العصر حضرت شیخ بنوریؒ کے تبلیغی کارنامے کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

" حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے پاکستان کے علاوہ یورپ، افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک کے تبلیغی دورے کئے۔ بہت سے ممالک میں مبلغین روانہ کئے۔ چنانچہ فیجی آئیلینڈ میں ۲، انگلستان میں ۴، دیگر یورپی ممالک میں ۱۰، مشرقِ وسطیٰ میں ۲۰ سے زائد اور افریقہ میں آپ کے بھیجے ہوئے بہت سے مبلّغین نے تبلیغی مقاصد کے لئے کام کیا۔

☆ مختلف ممالک میں دینی مدارس کا اجراء کیا گیا۔

☆ بہت سی کتابیں عربی زبان میں شائع کرا کے مختلف ممالک کو روانہ کیں۔

☆ بڑی تعداد میں افریقہ کے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

☆ جمال عبد الناصر کی دعوت پر کئی مرتبہ مصر تشریف لے گئے اور اسلام کے

اقتصادی اور معاشی مسائل پر تقریریں کیں اور مقالات پڑھے۔

☆ مولانا محمد علی جوہرؒ کی وفات کے بعد مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان کے سربراہ مقرر ہوئے اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

☆ ۱۳۹۴ھ میں تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے بالاتفاق آپ ہی کو اس کا سربراہ چنا اور آپ نے بیماری اور نقاہت کے باوجود طوفانی دورے کیے۔

☆ شاہ فیصل، کرنل قذافی، صدر سادات اور دیگر عرب زعماء پر مسئلہ ختمِ نبوت کی اساسی اہمیت کو واضح فرمایا اور اس کے نتیجے میں ابوظہبی، سعودی عرب، لیبیا وغیرہ عرب ممالک میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے۔ پھر پاکستان میں تمام احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔

☆ غلام احمد پرویز کے فتنۂ انکارِ حدیث کا زبان وقلم سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آپ ہی کی سربراہی میں منکرین حدیث کے کفر کا فتویٰ شائع ہوا۔

☆ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے الحادی نظریات پر مضبوط علمی تنقیدیں کیں۔ "بینات" کے ادارتی شذرات میں اور پبلک جلسوں میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے طلسم کا پردہ چاک کیا۔ اس کے نظریات کے رد میں مستقل ضخیم کتابیں بھی شائع کرائیں۔

☆ ایوب خانی دور میں راولپنڈی میں اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت فرما کر اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔

☆ ۱۳۹۷ھ میں جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے آپ کو

اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن نامزد کیا۔

چنانچہ اسی کونسل کے اجلاس کی شرکت کے دوران یہ عالمِ نبیل، مجاہدِ کبیر، اسلام کا عظیم جرنیل، شب زندہ دار درویش، نبی امی (فداہ روحی وابی وامی) کا سچا عاشق، اسلام کی عظمت وحرمت پر مر مٹنے کا جذبہ صادق رکھنے والا مردِ مومن، باطل کے سر اٹھانے پر بے تابی واضطراب کے عالم میں بے خود ہو کر اللہ سے امت کی صلاح وفلاح مانگنے والا سید بنوریؒ عارضہ قلب کے بہانے اپنے منصبی فرائض ادا کر کے خود بارگاہِ رب العزت میں باریاب ہوگیا۔"

(خصوصی نمبر، ص ۳۹۷)

حضرت بنوریؒ اور تبلیغی کام:

" جب حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے تبلیغی جماعت کا کام شروع کیا تو علمائے کرام کو ابتداء میں اس کام کی جانب کماحقہ التفات نہ ہوا۔ بالآخر مولانا الیاس کی کڑھن اور دعائیں نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور رفتہ رفتہ علمائے کرام کی آمد شروع ہوگئی۔ حضرت شیخ بنوریؒ بھی ان مشائخ اہل بصیرت میں تھے جنہوں نے اس کام کی قلم وزبان، وعظ وتقریر اور دل وجان سے کامل طور پر تائید فرمائی۔

تبلیغی اجتماعات میں شرکت:

مولانا الیاسؒ اور ان کی جماعت سے ان کا تعلق بڑھتا گیا۔ تبلیغ والوں کی دعوت پر ان کے اجتماعات میں باوجود مشاغل و معذوریوں کے شرکت فرماتے۔ ان اجتماعات میں جب حضرت بنوریؒ بیان فرما کر نکلنے کی ترغیب

دیتے تو بے شمار لوگ نکلنے کے لئے تیار ہوجاتے۔ کیونکہ قدرت نے حضرت شیخ بنوریؒ کے اخلاص کی وجہ سے آپ کی زبان میں بے انتہا تاثیر ودیعت فرمائی تھی۔

تبلیغ جہاد ہے:

غرض رفتہ رفتہ اس تعلق میں اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت مولانا مفتی شاہد فرماتے ہیں کہ عاجز نے تین مرتبہ حضرت بنوریؒ کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ "تبلیغ جہاد" ہے بلکہ ایک مرتبہ تو مکی مسجد میں خطاب کے دوران اس امر کو حسبِ عادت قوی دلائل کے ذریعہ ثابت کیا۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم کے تبلیغ سے تعلق کے کچھ دیگر اسباب بھی تھے۔

(۱) ایک سبب تو حضرت مولانا مرحوم اور اس کام کرنے والوں میں بعض امور کا اشتراک تھا۔ سب سے بڑی قدرِ مشترک امت کا وہ غم اور کڑھن تھی جو ایک عالمِ حق، داعی الی اللہ کی شایان شان ہے۔ یہ غم کسی لمحے مولاناؒ کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔

اگر کسی جگہ مسلمانوں کی تباہی کا واقعہ سنتے تو بے انتہا غم وافسوس کا اظہار فرماتے اور یہ درد و تاثیر پاس بیٹھنے والوں کو متاثر کئے بغیر نہ رہتا جس کا اندازہ مولاناؒ کی مجلسوں میں شریک ہونے والے حضرات بخوبی لگا سکتے ہیں۔

(۲) تبلیغ والوں کی طرح مولاناؒ بھی ریاء وشہرت ونمود کے طلب گار نہ ہوتے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے تعلق:

اس سلسلہ میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے حضرت مولاناؒ کا تعلق قابل ذکر ہے۔ مدرسہ میں آپ کو اہتمام سے دعوت دیتے۔ ایک موقعہ پر مسجدِ حرام مکۃ المکرّمہ میں مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی سے فرمایا: "یہ مدرسہ تو حضرت شیخ کا ہے، ہم تو ملازم کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔" حضرت مولاناؒ کا ارشاد اگرچہ تواضعاً تھا لیکن اس سے کمال تعلق ظاہر ہے۔ اپنے صاحبزادے مولوی محمد بنوری سلمہ اور اہلیہ محترمہ کو حضرت سے بیعت کرایا۔ مولوی محمد صاحب کو تو بارہا حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجتے رہے۔ اپنے خانگی امور تک سے شیخ کو باخبر رکھتے جو کہ حضرت مولاناؒ کے مکاتیب سے ظاہر ہے۔ حضرت شیخ کو بھی مولاناؒ سے خصوصی محبت ہوگئی تھی۔ جب کبھی مولاناؒ تشریف لاتے تو اپنے تمام مشاغل چھوڑ کر یاد فرماتے۔

شیخ زکریاؒ، کمالِ محبت وعشق:

ایک مرتبہ حضرتؒ نے مولاناؒ کو کہلا بھیجا کہ آپ مکی مسجد تشریف نہ لائیں، میں ازخود مدرسہ حاضر ہونے والا ہوں لیکن حضرت مولاناؒ رات کو بعد از مغرب پہنچ گئے اور فرمایا حضرت! میں آپ سے لڑنے آیا ہوں۔ حضرت شیخؒ نے اپنے جسم کو پوری حرکت دیتے ہوئے فرمایا: لڑو! اس پر مولانا بے اختیار ہنس دیئے۔ اب شیخ نے محبت کی گرمی دکھائی اور فرمایا: آپ یہاں کیوں آئے جب میں نے یہاں آنے سے منع کر دیا تھا تو پھر کیوں آئے؟ دیکھنے والوں کو کمال محبت وعشق کا یہ منظر بے انتہا محظوظ کر رہا تھا۔

تبلیغ سے وابستگی کا ذریعہ:

ایک مرتبہ حجازِ مقدس میں مدرسہ صولتیہ حضرت اقدس کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ شیخ نے فرمایا: مولانا! آپ نے بتایا بھی نہیں کہ آپ حضرت تھانویؒ کے مجازین میں سے ہیں؟ اس پر مولاناؒ نے تفصیل ذکر فرمائی اور اتنا روئے کہ دیکھا نہ جاتا تھا۔ حضرت شیخ مدظلہ سے یہ تعلق بھی حضرت مولاناؒ کی تبلیغ سے وابستگی کا ذریعہ بنا۔

حضرت مولاناؒ کے تبلیغ سے تعلق کا دوسرا سبب بعض اکابر کا مولاناؒ سے خصوصی تعلق تھا جن میں امیر تبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی صاحبؒ اور مولانا سعید احمد خان امیر تبلیغ حجازِ مقدس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب جب کبھی کراچی تشریف لاتے، مدرسہ میں اہتمام سے بلاتے، بیان کراتے اور دیر تک علیحدگی میں ان سے دل کی باتیں کرتے۔

مسجدِ نور میں تشریف آوری:

جب کبھی حجازِ مقدس کا سفر ہوتا ان کی دعوت پر جماعت کے مرکز مسجدِ نور (مدینہ منورہ) ضرور تشریف لے جاتے۔ خطاب فرماتے، بعض مرتبہ وہاں جا کر خود حضرت بنوریؒ پر رقت طاری ہو جاتی۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ مسجد نور تشریف لے گئے، صحن مسجد میں اردو زبان میں اور چھت پر مولانا محمد عمر پالن پوری اپنی سادہ عربی زبان میں بیان فرما رہے تھے، مولاناؒ وہاں بیٹھ گئے اور زار و قطار رونے لگے۔

طائفہ منصورہ کا مصداق:

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کی مقبولیت عند اللہ کا اندازہ اس کام کے آثار سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی مقبولیت ان کے کام سے ظاہر ہے۔ ایک موقع پر حدیث "لا تزال طائفة من امتی منصورین " کا مصداق مدلل طور پر اس جماعت کو قرار دیا۔

حضرت شیخ بنوریؒ کے تبلیغ سے انتہائی تعلق کا اندازہ حضرتؒ کی مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

طبیب مریض کی دہلیز پر:

آج امت تقریر و تحریر کی محتاج نہیں۔ یہ بہت کچھ ہو چکا ہے، ضرورت عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے۔ فصاحت و بلاغت کا دریا امت بہا چکی ہے لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ کہ آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے۔ بہر حال طبیب خود مریض کے پاس جاتا ہے، اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مریض طبیب کے پاس پہنچے تو علاج ہو۔ اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور امت کی اکثریت یا کم از کم بڑی کثرت اس مقصد کو شروع کر دے تو توقع ہے کہ امت کو نجات مل جائے اور بیڑا پار ہو جائے۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

بین الاقوامی تبلیغی اجتماع (لندن) کا منظر:

لندن سے برادرِ محترم مولانا مفتی عبد الباقی صاحب کا ایک مکتوب گرامی

آیا تھا جس میں بین الاقوامی اجتماع (لندن) کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے۔ اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے، نامناسب نہ ہوگا اگر اس کا اقتباس پیش کروں۔ وہ لکھتے ہیں:

" بین الاقوامی تبلیغی اجتماع ختم ہو چکا۔ تثلیث کے اس ملک میں توحید کی آواز عجیب منظر پیش کر رہی تھی ۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا قرون اولیٰ کے بچے بچائے لوگ (جن کی زندگیوں میں اسلام کی جھلک نظر آ رہی تھی) جمع ہوئے ہیں ۔ ان میں لمبی لمبی داڑھیوں والے، لمبے لمبے کرتوں والے، پاجاموں والے، شلواروں والے ، بڑی بڑی پگڑیوں والے تھے جنہیں دیکھ کر " گورے لوگ " محو حیرت بھی تھے اور محو تماشا بھی ۔ جب ہندوستان کا وفد لندن کے ہوائی اڈے ہیتھرو بلڈنگ نمبر ۳ پر تشریف لایا تو قانونی کارروائی سے فراغت کے بعد سب سے پہلے امیر التبلیغ حضرت مولانا سید انعام الحسن صاحب باہر تشریف لائے ۔ زندہ باد یا مردہ باد کے نعرے، نہ ہنگامہ، نہ شور و شر، کچھ بھی نہیں تھا بلکہ انتہائی وقار اور خاموشی کے ساتھ لبوں پر تبسم، چہروں پر طلاقت اطمینان اور سکون کی فضا میں معانقے ہوئے، مصافحے ہوئے اور پھر دعا شروع ہوئی جس میں آہیں، سسکیاں اور پھر آخر میں دھاڑیں مار کر رونے کی آوازیں بلند ہوئیں ۔ تثلیث کے پرستار نیم عریاں لباس میں کیمرے تان کر کھڑے ہو کر تماشا دکھا رہے تھے، ان کو فوٹو اتارنے سے منع کیا گیا تاہم چپکے چپکے سے وہ کیمروں کو ہلاتے رہے، سرتاپا حیرت کے مجسمے بنے ہوئے تھے ۔ چونکہ لندن ائیر پورٹ ہیتھرو پر ایک منٹ میں جہاز اترتا

ہے اور قریباً دوسرے میں اڑتا ہے۔اس لئے مسافروں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔مسافر آتے جاتے تھوڑی دیر کے لئے ضرور رکتے اس لئے کہ منظر ہی ایسا تھا کہ ہر ایک کو دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔"

(خصوصی نمبر، ص ۳۷۸ تا ۳۸۹)

مندرجہ بالا سطور سے حضرت شیخ کی تبلیغ سے وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔محدث العصر حضرت بنوریؒ کی اولین خواہش تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ امت کا ہر طبقہ اپنے اپنے مقام میں دعوت وتبلیغ کو اپنا لے کیونکہ کفر والحاد اس وقت بہت طاقتور ہے۔ایسی حالت میں منتشر اور انفرادی کوششوں سے کام نہیں چل سکتا۔لہٰذا پوری قوت کے ساتھ اجتماعی جدوجہد ہونی چاہیئے۔

باب : ۱۷

ردِفرقِ باطلہ اور فتنہ قادیانیت کا تعاقب

فتنہ لغت میں سونے کو کٹھالی میں پگھلا کر پرکھنے کو کہتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں فتنہ ان آزمائشوں کا نام ہے جن میں ایمان کا " زرِخالص " پرکھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں وہ بدعتیں، گمراہیاں، جدت طرازیاں اور الحاد وزندقہ بھی شامل ہیں جن کو اہل فتن اور کجرو اپنے دماغ کی اختراع سے تعمیر دین کے نام پر پیش کرتے ہیں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: خدا کی قسم تم بھی پچھلی امت کے گمراہ پسندوں کے قدم بہ قدم چلو گے۔ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہوا ہے تو یہ ارتکاب تم سے بھی ہوگا۔

اسلام اپنے آغاز ہی سے جن فتنوں کا تختہ مشق رہا ہے اس کی دلدوز تاریخ سامنے ہے۔ اسی تاریخ میں کربلائی معرکے، حجاج کی سفاکیاں وظلم ستم کی داستانیں، مسئلہ تقدیر اور اس پر ہنگامہ آرائیاں، اعتزال کا فتنہ، خوارج کا طوفان، خلق قرآن کا مسئلہ اور خدا جانے کتنی آندھیاں تاریخ کے میدان میں نظر آتی ہیں لیکن یہ لمبی چوڑی تاریخ گواہ ہے کہ دین مبین کے محافظ رب ذوالجلال نے شجر اسلام کے خلاف اٹھنے والی

ہر آندھی، طوفان اور گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں دین کے ایسے سرفروش بھی پیدا کیئے جنہوں نے اپنی آتش نوائی سے یہ تاریک فضا نورِ ایمان سے منور کی۔ تکوینی نظام کے تحت حفاظتِ دین کا کام انسان نہیں کرتے بلکہ خود خدا تعالیٰ کرتا ہے اور اس کے لئے رجالِ کار بھی پیدا کر دیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لیکر اکابر دیوبند تک حفاظت دین کے سلسلہ میں تکوینی امور کی کڑیاں ہیں۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا فتنوں کے استیصال اور بیخ کنی کے لئے کیا کردار رہا، اس کے لئے دفتر بے پایاں چاہئے۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

ذیل میں فتنوں کے تعاقب میں حضرت شیخ بنوریؒ کے کردار کا اجمالی خاکہ نذرِ قارئین ہے۔

پرویزی فتنہ:

پرویزی فتنے کے محرک و داعی غلام احمد پرویز نے حجیتِ حدیث کا انکار کر کے مجموعہ احادیث کو مسترد کر دیا۔ پاکستان میں اس فتنے کی ابتدا "انکارِ ملکیتِ زمین" کے نام سے شروع ہوئی جو دراصل کمیونزم نظریہ کے مطابق شخصی ملکیت کے انکار کی ابتدا تھی۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے غلام احمد پرویز کے گمراہ کن افکار و خیالات پر مشتمل ایک رسالہ چھپوایا جس کو پڑھ کر عرب و عجم کے علماء نے ان نظریات کے حامل افراد پر کفر کا فتویٰ صادر کیا اور حضرت شیخ بنوریؒ نے یہ متفقہ فتویٰ "پرویز کافر ہے" کے نام سے شائع کیا۔

مشرقی فتنہ:

اس فتنہ کا بانی عنایت اللہ مشرقی تھا جو بزعمِ خود علامہ تھا اور اس کے حواری یہ دعویٰ کرتے تھے کہ عنایت اللہ مشرقی کو علمائے ازہر نے علامہ کا خطاب دیا ہے اور برصغیر کے علماء میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ علامہ مشرقی کی کتابوں کو سمجھ سکیں۔ عنایت اللہ مشرقی اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ قرآن کے مفہوم و معانی کو مجھ سے بہتر سمجھنے والا کوئی نہیں۔

اس نے "تذکرہ" نامی کتاب لکھی جو اس کے الحاد و زندقہ کا نقش اول تھی۔ پھر مولوی کا غلط مذہب کے نام سے رسالے نکالنے شروع کردیئے۔ حضرت شیخ بنوریؒ جب مصر گئے تو ایک استفتاء مرتب کیا اور الازہر کے مفتی شیخ یوسف جودی نے اس کا جواب لکھا جس میں مشرقی کی نظریات کو صریح کفر و الحاد قرار دیا۔ حضرت بنوریؒ نے یہ فتویٰ پاکستان میں شائع کرایا۔ آخر کار یہ فتنہ اپنی موت آپ مرگیا۔

دیگر باطل فتنوں کی سرکوبی:

مذکورہ فتنہ کے علاوہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صدر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے خلاف اسلامی نظریات سے بھی عوام الناس کو آگاہ کیا گیا تھا۔ ایک دور میں محمود احمد عباسی نے اپنے زبان و قلم کے ذریعے حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے بارے میں خرافات شروع کردیں تو حضرت بنوریؒ نے اسے ناصبیت جدیدہ کا عنوان دیا اور کافی عرصہ تک بینات کے صفحات اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے وقف رہے۔

سب سے آخر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ان نظریات و عقائد کا عالمانہ اور محققانہ تعاقب کیا جو جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلکِ حقہ سے ہٹ کر ہیں۔ حضرت بنوریؒ نے اپنی زندگی میں مغربی تہذیب کی مکربازی اور سحرکاری

بھی دیکھی۔ نسل نو کی اسلامی تہذیب کے حوالے سے بیزاری کی حد تک پہنچی ہوئی بے اعتمادی بھی دیکھی۔ نبوت محمدی پر قادیانیت کی یلغار بھی دیکھی۔ عقیدہ صحیحہ پر بدعتوں اور خرافات کی شبخوں بازی دیکھی لیکن انہوں نے تمام داخلی اور خارجی فتنوں کا مقابلہ کیا۔ وہ اس شعر کا صحیح عکس اور پرتو تھے ....

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دل گیری

حضرت شیخ بنوریؒ، قادیانیت کو اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کاری کا وسیلہ سمجھتے تھے اور انہوں نے اس فتنہ کے ردکو وقت کا اہم فریضہ سمجھا۔ قادیانیت کے خلاف حضرتؒ کی طویل اور انتھک مہم کو حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے پورے بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم یہ روئداد حضرت لدھیانویؒ سے سنیں۔

مستقبل کی تیاری کا پیش خیمہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ ۱۹۵۱ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور دار العلومِ ٹنڈوالہ یار میں حدیث وتفسیر کی تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ اسی دوران ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو یہ شیخ وقت فوراً میدان عمل میں آ گیا اور ظفر اللہ قادیانی کی وزارتِ خارجہ کے خلاف احتجاجی جلسوں کی قیادت کرنے لگا۔ تحریک اگرچہ اپنے تمام مطالبات میں کامیاب نہیں ہوئی تاہم کون نہیں جانتا کہ یہی تحریک ظفر اللہ خان کی وزارتِ خارجہ کے ساتھ خواجہ ناظم الدین کی وزارتِ عظمیٰ کو بھی بہالے گئی۔ تحریکِ ختمِ نبوت میں آپ کی شمولیت کا یہ تجربہ دراصل مستقبل کی تیاری کا پیش خیمہ تھا۔

تکوینی مصلحتیں:

۱۹۵۴ء میں حضرتؒ مستقل طور پر کراچی میں آ گئے۔ کراچی میں آپ کے قیام میں حق تعالیٰ کی جو جو تکوینی مصلحتیں تھیں ان کی تفصیلات کا احاطہ کون کرسکتا ہے؟ مگر خیال ہوتا ہے کہ قدرت آپ کو کراچی کے مرکز میں لاکر "تحریکِ ختم نبوت" کی قیادت آپ کے سپرد کر رہی تھی۔ آپ یہاں تشریف لائے تو رفتہ رفتہ آپ کی سیادت و محبوبیت کا نقش دلوں پر ثبت ہونے لگا اور اندرون و بیرون ملک ہر طبقہ کے لوگوں سے آپ کے تعلقات وسیع ہوتے گئے اور آپ کو ہر بڑے چھوٹے سے ملنے، ہر ایک کو پڑھنے اور سمجھنے اور ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق اس سے کام لینے کا موقع ملا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام نہ ڈابھیل کے دور افتادہ خطے میں میسر آ سکتا تھا، نہ ٹنڈو الہ یار کے قصبے میں اور نہ "الا جیوہ" کے ویرانے میں۔ کراچی لاکر گویا قدرت نے ﴿وکذالک مکنا لیوسف فی الارض﴾ (۲۱:۱۲) کا نقشہ لوگوں کو ایک بار پھر دکھایا اور حدیثِ نبوی "ثم یوضع له القبول فی الارض" کا سماں پھر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

عرب و عجم کے دل کی دھڑکن:

میں سوچتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ یہ بوریہ نشین مرد درویش جس کی نہ کوئی پارٹی ہے نہ تنظیم، نہ تحریک نہ نعرہ، نہ اخبار نہ رسالہ، نہ اشتہار نہ دربار، نہ اسباب نہ وسائل، شہرت و نمود کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں مگر اس

کی مقناطیسی کشش کا یہ عالم ہے کہ ہر سطح اور ہر طبقہ کے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ سیکرٹیریٹ سے لے کر عام لوگوں تک سے اس کا گہرا رابطہ ہے۔ یہ عرب و عجم کے دل کی دھڑکن بنا ہوا ہے اور اپنی آتش دروں اور حرارتِ قلب سے بے شمار قلوب کو گرما رہا ہے اور جدھر کو نکلتا ہے، سیادت و وجاہت اس کے جلو میں چلتی ہے۔ شیخ آدم بنوری الحسینیؒ کے فرزند کو قدرت یہ ساری دولتیں اسباب و وسائل کے بغیر عطا کر رہی تھی، کیوں؟ اس لئے کہ اس صدی کے سب سے بڑے فتنہ، فتنہ قادیانیت کے استیصال کا وہ عظیم الشان کام اس سے لیا جانا ہے جو مجدّدین اور صدّیقین سے لیا جاتا ہے۔ یہ ساری وہبی نوازشیں اسی کی تمہید ہیں۔

حضرت مجددؒ طریقہ تجدید کے مجدد تھے:

یاد آیا کہ ایک بار راقم الحروف نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت! جس طرح امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے "اکبری فتنہ" کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لئے حکومت کے اعلیٰ ترین اہل مناصب کو رام کیا تھا، آج بھی اسی نہج پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سن کر حضرتؒ نے فرمایا: جی ہاں! بالکل صحیح ہے، حضرت مجدد صرف دین کے مجدد نہیں تھے بلکہ طریقہ تجدید کے بھی مجدد تھے۔" (خصوصی نمبر، ص ۲۹۹)

پاسبان حرم شاہ فیصل سے ملاقات:

فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے حضرت بنوریؒ نے عالمِ اسلام کے اربابِ حل وعقد کو اپنی نجی ملاقاتوں میں اس طرف متوجہ کرنے کی بھرپور کوشش کی، خصوصاً شاہ

فیصل شہید تو آپ کے بہت قدر دان تھے۔ شہید مرحوم سے آپ نے کئی بار ملاقات کی اور انہیں بالمشافہ فتنہ کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا۔

شاہ فیصل پیچھے پیچھے چلتے رہے:

ایک ملاقات کا حال حضرت مولانا عبدالرحیم اشرف نے حضرتؒ کی زبانی یوں قلم بند کیا ہے:

" حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ مرکزی مجلسِ عمل تحفظ ختم نبوت کی تحریک سے کچھ پہلے آپ حرمین حاضر ہوئے تو ایک دوست نے ازخود یہ کوشش کی کہ جلالۃ الملک سے ملاقات ہو۔ ملاقات طے ہوگئی۔ حضرت شیخ بنوریؒ بادشاہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ ملک محترم نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا، اپنی کرسی سے بہت قدم آگے بڑھ کر مصافحہ فرمایا۔ گفتگو کامل التفات سے سنی (یہ گفتگو تمام تر قادیانیت پر تھی۔ ناقل) اور اکثر و بیشتر امور میں پرزور تاکید اور گرم جوشانہ حمایت کا وعدہ فرمایا۔ ملاقات ختم ہوگئی تو آرام سے مولاناؒ کو الوداع کہنے دروازے تک تشریف لائے۔ مولاناؒ اپنے رفیق کے ہمراہ شاہی محل سے نکل رہے تھے کہ شاہ شہیدؒ بھی تشریف لائے۔ مولاناؒ کو احساس ہوا تو راستہ سے ایک کنارے پر کھڑے ہوگئے۔ شاہ وہاں پہنچے تو مولاناؒ سے حسب سابق آگے چلنے کو فرمایا، مولاناؒ نے اس سے انکار فرمایا اور شاہ سے درخواست کی کہ آپ ہی آگے چلیں۔ اس پر جلالۃ الملک نے مولاناؒ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں آگے چلنے پر مجبور کردیا اور خود پیچھے پیچھے چلتے رہے اور جب شاہی محل کے دروازے

تک پہنچے تو دوسری بار مولاناؒ کو گرمجوشی سے الوداع کہا۔"

(ہفت روزہ المنبر ،فیصل شہید نمبر، ۷ ستمبر ۱۹۷۶ء)

صدر قذافی کے نام خط:

حضرت بنوریؒ نے قادیانی مسئلہ کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے کئی حکمرانوں کو خطوط کے ذریعے صورتِ حال بیان کی۔اس سلسلہ کی ایک کڑی صدر قذافی کے نام خط ہے۔حضرت بنوریؒ نے لیبیا کے صدر کرنل قذافی کو مخاطب کر کے فرمایا:

" بعد از سلام گزارش ہے کہ مجھے آنجناب کی زیارت کا شرف اس وقت حاصل ہوا جبکہ طرابلس کی پہلی " دعوتِ اسلامی کانفرنس " میں مندوب کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔آنجناب کی شخصیت میں اخلاص،قوتِ ایمان اور سلامتی فطرت کے آثار دیکھ کر اول وہلہ میں آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہوئی۔بعد ازاں آپ کی خیر وسعادت کی خبریں ہم تک پہنچیں جن کی وجہ سے آپ بلاشبہ داد وتحسین کے مستحق اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے مایۂ فخر ہیں۔حق تعالیٰ آپ کو اسلام کے لئے ذخیرہ اور مسلمانوں کی پناہ گاہ کی حیثیت سے سلامت رکھے اور آپ کے وجودِ گرامی سے اسلام اور عرب کی عزت ومجد کے علم بلند ہوں۔آمین۔

برادرِ گرامی قدر! آپ نے پاکستان کے موقف کی تائید کر کے اور ہر ممکن مادی مدد مہیا کر کے جو احسان فرمایا ہے اس کا ہمیں اجمالی علم ہوا۔حق تعالیٰ آپ کو اس حسنِ سلوک کا بدلہ عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں آپ پر انعامات فرمائیں۔آمین۔

اور اب میں آنجناب کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک عظیم خطرہ میں گھرا ہوا ہے اور وہ ہے فتنہ قادیان یا قادیانی تحریک۔ بحریہ کا قائد ایک بڑا قادیانی ہے۔ فضائیہ کا سربراہ قادیانی ہے اور بری فوج میں ٹکا خان کے بعد سترہ جرنیل ہیں جو سب قادیانی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ٹکا خان بھی ریٹائر ہوجائیں گے۔ حکومت مسلمان افسروں کو فوجی مناصب سے معزول کررہی ہے۔ صدر کا اقتصادی مشیر ایم ایم قادیانی ہے اور سر ظفر اللہ خان کے جو بڑا خبیث سازشی قادیانی ہے، صدر سے خصوصی روابط ہیں۔ صدر اس کے مشوروں کی تعمیل کرتا ہے۔

غالباً آنجناب کو علم ہوگا کہ اس گروہ کا ضال و مضل مقتدا مرزا غلام احمد قادیانی مدعیٔ نبوت تھا، اس نے پہلے مجدد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بعد ازاں نبوت کا دعویٰ کردیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ برطانوی حکومت روئے زمین پر خدا کا سایہ ہے، جہاد منسوخ ہے اور یہ کہ برطانیہ کی نصرت و حمایت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ وغیر ذالک من کفر دھراً۔

"قادیان" کے بعد (جو ہندوستان میں رہ گیا) انہوں نے مغربی پاکستان میں "ربوہ" آباد کیا جس کی حیثیت ان کے دارالخلافہ کی ہے۔ وہاں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑی سرگرمی سے سازشیں تیار ہوتی ہیں اور یہ عجلت میں تحریر کردہ عریضہ ان تفصیلات کا متحمل نہیں۔ میں آنجناب سے اس وقت دو گذارشیں کرنا چاہتا ہوں۔

ایک یہ کہ صدر بھٹو کو اس خطرۂ عظیمہ سے آگاہ کیجئے۔ یعنی قادیانی

بغاوت، ملک کا قادیانی حکومت کے تحت آ جانا، بحر احمر میں برطانیہ کی عزت رفتہ کا دوبارہ لوٹ آنا اور بیک وقت تمام عربی و اسلامی ممالک کا ناک میں دم آ جانا۔ پس آنجناب سے درخواست ہے کہ آج حکومتِ پاکستان کو قادیانیوں کے یا بلفظِ صحیح برطانیہ کے چنگل سے چھڑا کر اس پر احسان کیجئے۔ جیسا کہ قبل ازیں آپ اس کی اخلاقی و مادی مدد کر کے اس پر احسان کر چکے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسولؐ کی، اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے ہر قسم کی تدبیر و حکمت اور عزم و حزم کے ساتھ "صدر بھٹو" کی کجروی کی اصلاح کیجئے۔ بلاشبہ اسلام کی یہ عظیم الشان خدمت اللہ و رسولؐ کی رضامندی کا موجب ہوگی۔ اسی کے ذریعہ اس رخنہ کو بند کیا جاسکتا اور اس شگاف کو پر کیا جاسکتا ہے کیونکہ فتنہ کا سیلاب خطرہ کے نشان سے اوپر گذر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت و مدد فرمائے۔ "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔"

دوسری گذارش یہ ہے کہ جمہوریہ لیبیا میں جو قادیانی ڈاکٹر یا انجینئر کی حیثیت سے آئے ہیں انہیں نکالئے۔ سنا گیا ہے کہ آپ کے ملک میں قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد آئی ہے۔ ان میں ایک ڈاکٹر خلیل الرحمٰن طرابلس میں ہے جو شعاؤں کے ذریعہ سرطان کے علاج کا خصوصی ماہر ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا سراغ لگایا جائے اور محض اللہ کی، اس کے رسولؐ کی، اس کی کتاب کی اور مسلمانوں کے قائدین کی خیر خواہی کی غرض سے آپ کو ان کی اطلاع دیجائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خدمتِ

اسلام اور مسلمانوں کی مدد میں ثابت قدم رکھے۔ آپ کو اپنی رضا اور اپنے دین کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے اور آپ کے ہاتھ سے خیر وسعادت کے وہ کام لے جن کے ذریعے مشرق ومغرب میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ومجد میں اضافہ ہو۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

آپ کا مخلص:

محمد یوسف بنوری

خادم الحدیث النبوی الکریم فی کراچی

حضرت بنوریؒ کو قادیانیت کے خلاف درد و سوز، بے چینی و بے قراری اور قلبی نفرت اتنی تھی کہ وہ اس سلسلے میں بڑے بڑے فراعنہ مصر سے بھی ٹکرائے اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے جو کچھ ان سے بن پڑا، وہ کر گزرے۔ مرزائیت کی کھلے عام مرتدانہ سرگرمیاں حضرتؒ کی ایمانی غیرت کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس کے انسداد کے لئے حضرتؒ پوری دنیا میں گھومے۔

شیخ بنوریؒ لہولہان:

حضرت مولانا مفتی عبدالباقی راوی ہیں کہ:

" پڈرسفیلڈ ختم نبوت کے دفتر کی طرف سے حضرت شیخ بنوریؒ کو دعوت نامہ بھیجا گیا۔ حضرت شیخ لندن پہنچے۔ ایک رات قیام کے بعد پڈرسفیلڈ روانہ ہوئے۔ دفتر ختمِ نبوت پہنچے۔ دفتر میں قیام پذیر صاحب خانہ موجود نہ تھے، بعد میں ملے۔ حضرت شیخ بنوریؒ کو رات کے وقت پیشاب کرنے کا عارضہ پیش تھا۔ رات کو ایک دو دفعہ میں بھی ان کے ساتھ گیا لیکن میری آنکھ

لگ گئی اور حضرت الشیخؒ تنہا پیشاب کرنے کے لئے اٹھے۔ اندھیرا تھا، بجلی کا سوئچ آٹومیٹک تھا، آن کرنے کے تھوڑی دیر بعد خود بخود بجھ جاتا تھا۔ حضرتؒ جب پیشاب سے فارغ ہوئے تو بٹن دبایا۔ ابھی حضرتؒ آگے نہیں بڑھے تھے کہ بٹن خود بخود بجھ کر اندھیرا ہو گیا۔ بیت الخلاء کے قریب ایک تہہ خانہ تھا جس کا دروازہ نہیں تھا، دوسری طرف ذرا آگے حضرتؒ کی قیام گاہ (دفترِ ختمِ نبوت) تھی۔ حضرتؒ نے غلطی سے تہہ خانہ کی طرف قدم بڑھایا اور نیچے سیڑھیوں پر لڑھکتے لڑھکتے دھڑام سے تہہ خانہ میں گرے۔ غالباً سولہ سترہ سیڑھیاں ہوں گی۔ معلوم نہ تھا کہ نیچے سوئچ کہاں ہیں۔ اندھیرے میں سیڑھیاں تلاش کر کے اوپر چڑھ آئے۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر مجھے آواز دی کہ بھائی اٹھو، میں گر گیا ہوں (پشتو میں یہ الفاظ کہے) میں چونک اٹھا۔ حضرتؒ کو دیکھا، کیسے دیکھا؟ ایسے دیکھا کہ کسی نے بھی حضرت الشیخ کو ایسے حال میں نہیں دیکھا۔ میں اس وقت کچی نیند سے اٹھا، بجلی جلائی، دیکھا تو حضرت الشیخ لہولہان ہیں۔ سر سے خون فوارے کی طرح ابل رہا ہے، چہرہ انور نے خون کی چادر اٹھا رکھی ہے، داڑھی پر لہو کی تہ چڑھی ہوئی ہے۔ کپڑے بھی خون سے رنگین ہیں، نہ پاؤں میں سلیپر، نہ ہاتھ میں لاٹھی، پرایا مکان ہم اجنبی۔ اس وقت آدھی رات ہے، لوگ محوِ خواب ہیں، صاحبِ خانہ بھی اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ میں نے سب سے پہلے ٹیشو پیپر سے سر کا زخم صاف کیا، پھر چہرہ صاف کیا، پھر داڑھی صاف کی۔ ٹیشو پیپر کے ذرات زخم اور داڑھی میں پھنس جاتے تھے، صفائی میں مشکل پیش آئی، روئی نہیں تھی۔

دفتر میں ہوتا کیا ہے، صرف چند کتابیں، چار پائی اور چند کرسیاں۔ پھر بنیان اور چادر تبدیل کرائے۔ اپنے مفلر سے ان کا سر باندھا۔ میں نے کہا کہ صاحبِ خانہ کو جگاؤں۔ فرمانے لگے نہیں! اس کے آرام میں خلل ہو جائے گا، رہنے دو۔ میں بار بار کہتا کہ ڈاکٹر کو فون کر دیا جائے۔ فرماتے کہ صبح دیکھا جائے گا۔ پھر میں اس تہہ خانہ کی طرف گیا، دیکھا کہ سارے راستہ میں خون چھڑکا ہوا ہے۔ کہیں کہیں خون کی دبیز تہہ جمی پڑی ہے، ساری سیڑھیاں خون سے لت پت ہیں۔ حضرت الشیخؒ کے سلیپر ایک یہاں، دوسرا وہاں، لاٹھی بھی (عصا) ایک کونہ میں پڑی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے دو بکرے ذبح کئے ہیں۔ اتنی خون کی بہتات تھی کہ کمزور آدمی دیکھ کر بے ہوش ہو جائے لیکن کیا مجال کہ شیخؒ نے اُف کی ہو۔ آخری رات کے وقت جب صاحبِ خانہ کی بیوی قضاءِ حاجت کے لئے اٹھی اس نے ہر طرف خون ہی خون دیکھا، گھبرا کر واپس کمرے میں گئی اور شوہر کو جگایا۔ وہ اٹھ کر بھاگے بھاگے آئے اور حیرانی سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اسے جب معلوم ہوا تو پھر دوسرے دوستوں کو اطلاع دی۔ پھر ڈاکٹر کو فون کیا۔ پھر ایمبولینس منگوا کر حضرتؒ کو ہسپتال لے گئے۔ غالباً سات ٹانکے لگے اور ڈاکٹر نے حضرتؒ کو ہسپتال سے فارغ کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ سفر پر پابندی لگا دی مگر لوگ کب معاف کرنے والے تھے۔ پروگرام کے مطابق حضرت الشیخؒ نے سفر جاری کیا اور پھر واپس کراچی تشریف لے گئے۔ اس سفر کی رفاقت میں کب بھول سکتا ہوں جبکہ میں نے اس حالت میں شیخؒ کو دیکھا ہے کہ کسی نے تو کیا خود حضرتؒ

نے بھی کبھی اپنے آپ کو نہیں دیکھا ہوگا۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۰۰)

میں کفن ساتھ لے جارہا ہوں:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ راوی ہیں کہ:

" تحریکِ ختمِ نبوت کے دنوں میں حضرت بنوریؒ پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سماسکتی۔ تحریک کے دنوں میں جو آخری سفر حضرتؒ نے کراچی سے ملتان، لاہور، راولپنڈی، پشاور تک کا کیا، اس کی یاد کبھی نہ بھولے گی۔ کراچی سے روانہ ہوئے تو حضرتؒ پر بے حد رقت طاری تھی اور جناب مفتی ولی حسن صاحب سے فرمارہے تھے: "مفتی صاحب! دعا کیجئے، حق تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے، میں کفن ساتھ لے جارہا ہوں۔ مسئلہ حل ہوگیا تو الحمد للہ، ورنہ شاید بنوری زندہ واپس نہ آئے گا۔" حق تعالیٰ نے آپ کے سوز دروں کی لاج رکھ لی اور قادیانی ناسور کو جسدِ ملت سے کاٹ کر جدا کردیا گیا۔" (بینات، ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ)

بالآخر حضرت شیخ بنوریؒ کی جدو جہد، جذبہ، ولولہ، تڑپ اور عمل پیہم کی برکت سے قادیانیت کا قلعہ مسمار ہوگیا اور ۷ ستمبر ۱۹۷۲ء کو آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ قادیانیت کے خلاف ۱۹۷۲ء کو چلائی گئی تحریک کے قائدِ اول اور اس کاروانِ عزیمت کے سپہ سالار حضرت بنوریؒ ہی تھے اور وہ ساری زندگی اس فتنے کے خلاف سینہ سپر رہے۔

ہم کو مٹا سکے یہ زمانہ میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانہ سے ہم نہیں

باب : ۱۸

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رب ذوالجلال کی اس دھرتی پر ایک ہستی ایسی بھی ہے جس سے محبت، عقیدت، والہیت، عشق اور وارفتگی عین ایمان ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک حیرت انگیز معجزہ ہے کہ انسانی دل و دماغ سے جو خراجِ محبت انہوں نے وصول کیا وہ کائنات کا کوئی دوسرا انسان وصول نہ کرسکا۔ ہر دور میں جتنی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی اتنی محبت کسی اور سے نہیں کی گئی۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں ......

نماز اچھی ، زکوٰۃ اچھی ، روزہ اچھا ، حج اچھا
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثربؐ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

محبت دو قسم کی ہے۔ ایک طبعی، کہ آدمی کو اولاد وغیرہ کی محبت ہوتی ہے۔ دوسری محبت عقلی، کہ دل چاہے یا نہ چاہے لیکن بمقتضائے عقل اپنے آپ کو اس کی طرف مائل

کرے۔ گویا محبتِ عقلی محبوب کی اطاعت اور اس کی خوشنودی فکر کا نام ہے اور علماءِ، محدثین و مفسرین نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مراد عقلی و شعوری و اختیاری طور پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور دوسروں کی مخالفت ایمانِ کامل کا تقاضا اور حبِ نبویؐ کی آئینہ دار ہے۔ حبِ نبویؐ وہ کیمیائے سعادت ہے جو اگر موجود ہو تو ایمانی کیفیات میں اضافہ ہوتا ہے، اعمالِ صالحہ کا ذوق و شوق اور دین کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حبِ نبویؐ ہی وہ تریاق و اکسیر اور کبریتِ احمر ہے جس کی بدولت ہر زمانے میں اولیاءِ امت اور صلحائے ملت نے ولایت، روحانیت، مقبولیت اور محبوبیت کے اعلیٰ ترین مدارج و مراتب حاصل کئے ہیں۔ ایک صحابیؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر پوچھنے لگے "متی الساعة یا رسول اللّٰه "اے اللہ کے رسولؐ! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "ما اعددت لها" تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ صحابیؓ رسولؐ عرض کرنے لگے: میں نے قیامت کے لئے بہت زیادہ تیاری تو نہیں کی نہ میرے پاس زیادہ نمازیں ہیں۔ نہ روزے، نہ نفلیں، نہ صدقات و خیرات" ولکنی احب اللّٰه و رسوله" مگر ہاں! اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے۔ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انت مع من احببت "تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا آپؓ کو رسول اللہؐ سے کتنی محبت تھی؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مال و اولاد اور ماں باپ سے زیادہ محبوب تھے اور پیاس کی شدت میں جو محبت پیاسے کو پانی سے ہوتی ہے اور جس طرح وہ پانی کے لئے بے قرار ہوتا ہے اس سے زیادہ محبت ہم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔

ایک صحابیؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی تو انہوں نے فوراً یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھ سے بینائی چھین لے کہ میں سرکارِ دو عالمؐ کے جلوہ جہاں آرا کے بعد دنیا کی کوئی چیز دیکھنا نہیں چاہتا ....

چھین لے مجھ سے نظر اے جلوہ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

ان کی دعا قبول ہوگئی اور بینائی سلب ہوگئی۔ جب صحابہ کرامؓ کو عشقِ رسولؐ کی لازوال دولت میسر آئی تو دنیا کے ہادی اور رہنما بن گئے۔

قدم بوسی کی دولت مل گئی تھی چند ذروں کو
ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہوکر

اکابر علمائے دیوبند کے یہاں تو اصل چیز عشقِ رسولؐ، اطاعتِ رسولؐ اور محبتِ رسولؐ ہے۔

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی عملی زندگی سراپا معمورہ عشقِ رسولؐ تھی۔ سنت ان کے ہر عمل کا ہدف تھی اور عشقِ رسولؐ ان کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع عزیز تھی۔ نبی اکرمؐ سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضورؐ کا نام مبارک آتا، آپ کی آنکھیں پرنم ہوجاتیں۔ کئی بار خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

معراجِ عشقِ رسولؐ:

حضرت شیخ بنوریؒ کے بھانجے جناب خالد جان بنوری صاحب راوی ہیں:

" آپ کو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے والہانہ عشق

تھا۔ آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ علومِ دینیہ واحادیث نبویؐ کے حصول اور پھر تدریس وتبلیغ اوراس کے بعد تحقیق وترویج میں گزرا۔ دوم: آپ نے زندگی کے ہر پہلو میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی پیروی کی۔ سوم: آپ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لئے عبادات و خیرات کرتے رہے۔ اسی طرح ہر سال قربانی اور بے شمار عمرے ان کے حق میں کئے۔ چہارم: زندگی میں آپ نے وصیت تحریر کی تھی: "کہ روضۂ مبارک کا غبار میری آنکھوں میں لگادینا۔ روضۂ اقدس کے دیے کا تیل میری داڑھی پر چھڑکنا اور روضہ پاک کے غلاف کا ٹکڑا میرے کفن میں سینے پر سی دینا اور خانہ کعبہ کی چھت کی لکڑی تین سو سال پرانی قبر میں رکھنے کا کہا تھا۔"

یہ سب چیزیں آپ نے ڈبہ میں محفوظ کررکھی تھیں، آپ کی وصیت کے مطابق کام میں لائی گئیں۔ یہ حبِ رسولؐ کی معراج تھی۔"

(خصوصی نمبر، ص ۵۱۲)

عشاق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہر چیز سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت شیخ بنوریؒ سمیت ہمارے تمام اکابر کو حرمین شریفین سے اس لئے محبت تھی اور والہانہ تعلق تھا کہ یہ کوچہ محبوب ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ مدینہ طیبہ سے کئی میل دور گنبدِ خضرا کو دیکھتے ہی اونٹ سے اتر جاتے، جوتے اتارلیا کرتے اور برہنہ پا چلنا شروع کردیتے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ راوی ہیں کہ بانی دیوبند نے تمام عمر سبز رنگ کا جوتا صرف اس وجہ سے استعمال نہیں کیا کہ روضۂ رسولؐ کا رنگ سبز ہے۔

حضرت شیخ بنوریؒ بھی تو اسی کاروانِ عشق کے مسافر تھے۔مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ سے انہیں محبت وعقیدت اپنے اکابر اور اساتذہ سے ورثہ میں ملی۔

احترامِ حجاز:

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب رقم طراز ہیں کہ:

" حضرت شیخ بنوریؒ فرماتے تھے کہ مکے کی سرزمین پر جب قدم رکھو تو کسی کو حقیر نہ سمجھنا۔یاد رکھنا کعبہ مرکزِ تجلیات ہے۔اس کے قرب وجوار میں رہنے والا خواہ کس حال میں ہو،تم سے بہتر اور درجہ ایمان وتوحید میں تم سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ہوسکتا ہے تم شہر میں جگہ جگہ گندگی دیکھو یا لوگوں کی بعض عادات تمہاری ناگواری کا باعث ہوں مگر دل پر میل نہ ہونا اور تنقید (طعن وتشنیع) سے گریز کرنا۔" (خصوصی نمبر،ص ۴۴۳)

مہمانِ رسولؐ:

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب ایک اور واقعہ کے راوی ہیں۔فرماتے ہیں کہ:

" مسجدِ نبوی میں اعتکاف کے دوران افطار اور سحری میں قسم قسم کے کھانے آتے تھے۔اول اول میں نے کھانے میں کچھ تکلف کیا۔حضرت شیخ بنوریؒ نے اس کو محسوس کرلیا۔مجھ سے علیحدگی میں فرمایا" تنزیل الرحمٰن!اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور ہم یہاں آتے تو ہم آنحضرتؐ کے مہمان ہوتے۔آج آنحضرتؐ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو خادمانِ رسولؐ جو مدینۃ النبیؐ کے ساکن ہیں،ہماری میزبانی کرتے ہیں،ہم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں اور یہ سب خادمانِ رسولؐ ہیں، تم کھانے میں تکلف نہ کیا کرو، رغبت سے کھایا کرو۔" مولانا کا سمجھانے کا وہ پیار و محبت بھرا انداز جب بھی یاد آتا ہے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔"

(خصوصی نمبر، ص ۴۴۶)

روضۂ اقدس کے برکات:

جناب ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب، حضرت شیخ بنوریؒ کے حرمین شریفین کے سفر کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بار بار حج یا عمرہ کا سفر کرنے سے بھی میرا مقصد حج یا عمرہ کی تعداد بڑھانا اور اس کو اپنے لئے سرمایۂ فخر و مباہات سمجھنا ہرگز نہیں ہے بلکہ میں تو ایک خاص مقصد کے لئے بار بار حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً جاتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو یہ باغ لگایا ہے (مدرسہ عربیہ اسلامیہ) اس کی قبولیت اور کامیابی کے لئے دعائیں کروں۔ بیت اللہ کے فیوض اور روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات حاصل کروں کہ اللہ تعالیٰ بانی اور اساتذہ وطلبہ کی محنت کو قبول فرمائیں اور ان کو مزید اخلاص اور اہلیت سے سرفراز فرمائیں۔

جس طرح ایک کار کا ڈرائیور جب سفر شروع کرتا ہے تو تیل کی ٹنکی کو بھر لیتا ہے مگر جہاں ٹنکی خالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو جلد از جلد ہی پٹرول پمپ سے تیل لیتا ہے۔ اسی طرح میں بھی نہ صرف ہر سال بلکہ سال میں متعدد مرتبہ حرمین شریفین سے تیل لینے جاتا ہوں۔" (خصوصی نمبر، ص ۱۔)

یہ مدرسہ حضورؐ کا ہے:

حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت شیخ بنوریؒ کے مدرسہ کی اس قدر عظمت و مقبولیت کے متعدد اسباب تھے۔ ان میں سب سے پہلا اور اصل سبب حضرتؒ کا اخلاص، تقویٰ، تعلق مع اللہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "فداہ ابی و امی" کے ساتھ عشق و محبت تھی۔ چنانچہ حضرت والا کا یہ مقولہ کہ یہ "مدرسہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، ہم تو خادِم ہیں" سب کے کانوں میں آج بھی سنائی دے رہا ہے۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۳۵)

حرمین شریفین سے والہیت و محبت:

حضرت شیخ بنوریؒ کے سفر و حضر کے رفیق اور جامعہ اسلامیہ کراچی کے رئیس جناب ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر، حضرت شیخ بنوریؒ کے حرمین شریفین سے والہیت، محبت اور عقیدت کے مناظر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت مولانا بنوریؒ کو حرمین شریفین سے والہانہ تعلق تھا اور اس تعلق کا صحیح اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنہوں نے آپ کو قریب سے دیکھا، یا آپ کے ساتھ حج ادا کیا ہو۔ آپ جب حج یا عمرہ کا احرام باندھتے اور زبان سے تلبیہ پڑھنا شروع فرماتے: لبیک اللّٰھم لبیک......تو اس والہانہ انداز سے تلبیہ پڑھتے کہ سننے والے پر بے حد رقت اور گریہ طاری ہو جاتا۔ تلبیہ کے ساتھ ساتھ دعائیہ جملے بھی زبان پر جاری رہتے اور آنکھیں پرنم رہتیں۔ دل و دماغ اور جوارح سب ہی عبادت میں مشغول رہتے اور عبادت

میں جو کیفیت (ایماناً واحتساباً) کی مطلوب ہے وہی کیفیت طاری رہتی۔

اس والہانہ کیفیت کے ساتھ ساتھ اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ اس عبادت کو اس کے فرائض وواجبات اور سنن وآداب کے ساتھ ادا فرمائیں اور اس کا اتنا اہتمام فرماتے کہ حج سے پہلے بھی حج کے مسائل پر مختلف بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور حج کے دوران بھی ایک آدھ اہم کتاب اپنے ساتھ رکھتے۔ علماء حضرات جب ملنے حاضر ہوتے تو انہیں اہم مسائل کی طرف توجہ دلاتے۔ حج کے دوران بہت سے حجاج کرام آکر مسئلے پوچھتے، ان میں عرب بھی ہوتے۔ آپ جواب دیتے اور ان کے اس طرز پر خوشی کا اظہار فرماتے اور فرماتے کتنے اچھے لوگ ہیں جنہیں اپنے حج کی اتنی فکر ہے۔

مدح رسولؐ:

جب آپ نے پہلی بار روضۂ اقدس پر حاضری دی تو اپنے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک ۷۴ ابیات کا طویل اور جامع قصیدہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں بنا کر ساتھ لے گئے اور روضۂ اقدس پر اسے پڑھا اور اس کے بعد جب مصر تشریف لے گئے تو مصر کے اسلامی مجلّہ ''الاسلام'' ۲۸ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اس قصیدہ کا عنوان تھا: ''شذرات الادب فی مدح سید العجم والعرب'' اور مدیر مجلّہ نے اس پر یہ عبارت لکھی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے یہ قصیدہ شیخ محمد یوسف بنوری کا ہے جنہوں نے اسے ہندوستان میں لکھا اور حجاز مقدس میں مسجدِ نبوی کے اندر روضۂ اقدس پر اسے پڑھا۔ ماسواءِ ابتدائی چند اشعار کے جنہیں حیاء کی بناء پر

پھلوڑ دیا۔

آثارِ مدینہ:

مدینہ منورہ کے آثار کا وسیع علم رکھتے تھے۔ فرمایا کہ جب میں پہلی بار حاضر ہوا تو مدینہ منورہ میں ایک ایسے بزرگ سے " مکتبہ عارف حکمت " میں ملاقات ہوئی جو آثار مدینہ منورہ کے بہت بڑے عالم تھے، وہ دوست بن گئے اور مجھے یہ پیشکش فرمائی کہ میں آپ کو مدینہ منورہ کے آثار دکھلاؤں گا۔ چنانچہ ہم نے ایک خچر گاڑی والے سے معاملہ طے کرلیا جو ہمیں صبح ناشتہ کے بعد لے جاتا اور ظہر کے قریب واپس حرم پہنچا دیتا۔ اس وقت گاڑیاں اور ٹیکسیاں نہیں تھیں۔ جس جانب ہمارا جانا ہوتا، وہاں بیٹھ جاتے اور کتاب "وفاء الوفاء" کھول کر پڑھتے اور اس کے مطابق وہ شیخ آثار بتلاتے، خاص کر غزوہ احد، غزوہ خندق، قبا وغیرہ کے آثار، ساتھ میں ان شیخ کا خادم بھی ہوتا جو چائے وغیرہ کا انتظام کرتا۔" (خصوصی نمبر، ص ۵۴۹)

دینی شعائر کی تعظیم:

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" مدینہ منورہ سے واپسی پر پاکستان کے لئے روانہ ہونے سے پہلے جدہ میں ایک روز قیام کے دوران ایک بار عمرے کا موقع مل گیا۔ میں عمرے کے لئے آیا، سعی کے بعد نمازِ ظہر میں اتفاقاً حرم میں مولانا سے ملاقات ہوگئی۔ کہنے لگے کہ کھانا کھا کر جانا۔ چنانچہ بعد نمازِ ظہر مجھے اپنے ساتھ قاری سلیمان صاحب کے گھر موٹر میں لے گئے۔ جب زینے پر چڑھنے کا وقت آیا تو میں

پیچھے ہو گیا کہ مولانا آگے بڑھیں مگر مولاناؒ نے مجھے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔
میں نے جب کہا کہ مولانا آپ! تو فرمایا کہ تم اس وقت محرم (حالتِ احرام میں) ہو، تمہارا مرتبہ اس وقت مجھ سے بڑھا ہوا ہے اس لئے تم آگے بڑھو۔
حکم کی تعمیل میں، میں آگے ہو گیا مگر آج تک مولاناؒ کی یہ بات میرے ذہن میں محفوظ ہے کہ مولاناؒ دینی شعائر کی کس قدر تعظیم کرتے تھے۔"

(خصوصی نمبر، ص ۴۴۵)

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر امتی کو آپؐ سے ایسی محبت اور ایسا تعلق پیدا ہو جائے جیسا ہمارے اکابر کو نصیب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے سے کان لذت حاصل کریں، زبان ذکر حبیب کرتے ہوئے تھکے نہیں، دل میں آپؐ کے حالات سننے اور جاننے کا ذوق ہو تو پھر اللہ کی نورانی مخلوق بھی ہم پر رشک کرے اور ہم اللہ رب العزت کے مقبول و محبوب بندے بن جائیں۔

اللہ رے جذب شوق کا اعجاز رہبری
اک اک قدم کو حاصل منزل بنادیا
مجھ کو تو اس مآل محبت پہ ناز ہے
اب دل کو ان کے رحم کے قابل بنادیا

باب : ۱۹

ملفوظات طیبات

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنے زمانے کے عظیم محدث، فقیہ، داعی و مبلغ، مصنف و مؤلف اور صاحبِ ارشاد ہونے کی حیثیت سے درِّ یکتا تھے۔ حضرتؒ کے چند قیمتی ملفوظات نذرِ قارئین ہیں............

خونِ دل وجگر سے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

آبِ زر سے لکھنے کے قابل نصیحت:

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب لکھتے ہیں:

" زمانہ طالب علمی میں راقم الحروف ایک مرتبہ سفر میں تھا، عریضہ ارسالِ خدمت کیا جس میں کچھ نصیحت کی درخواست بھی پیش کی تھی۔ جواب آیا اور ایسی عمدہ قیمتی اور بہترین نصیحت پر مشتمل جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرمایا: " دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی سے کسی خیر کی توقع نہ کریں اور نہ کسی پر اعتماد و توکل کریں ورنہ سوائے خسران و ناکامی کوئی اور نتیجہ

نہ ہوگا۔"

مدرسہ کی خدمت بڑا اعزاز:

فرمایا کرتے تھے:

" میں نے یہ مدرسہ اس لئے نہیں بنایا کہ مہتمم یا شیخ الحدیث کہلاؤں۔ جلال میں آ کر فرماتے: اس تصور پر لعنت۔ پھر فرماتے کہ اگر کوئی مدرسہ کے اہتمام اور بخاری شریف پڑھانے کا کام اپنے ذمہ لے لے تو مجھے خوشی ہوگی اور میں ایک عام خادم کی طرح سے مدرسہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کروں گا۔"

حصولِ معاش کا تصور ختم کر دیا جائے:

فرمایا:

" ہم تو چاہتے ہیں کہ حصولِ معاش کے تصور کو ختم کر دیا جائے اور طالبِ علم صرف اللہ کے دین کا سپاہی بنے۔ اس کے سوا زندگی کا کوئی مقصد اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین و اعتماد ہو کہ معاش کی فکر کے بغیر اللہ کے دین کی خدمت کرے۔"

ایک خاص دعا کا اہتمام:

فرماتے تھے کہ:

" اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دعا سکھا دی ہے، یہی دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تو خزانوں کا مالک ہے اور بندوں کے دل بھی تیرے قبضہ قدرت میں ہیں،

آپ ان کے دل پھیر دیں کہ وہ خود آ کر اس مدرسہ کی خدمت کریں۔ ہمیں ان کے در پر نہ لے جا۔

فرماتے: مالداروں کو ہمارا ممنون ہونا چاہیئے کہ ہم ان کا مال صحیح جگہ خرچ کر کے ان کے لئے جنت کا سامان بناتے ہیں۔"

جب خدمتِ دین کے سارے دروازے بند ہو جائیں:

فرماتے تھے کہ:

" خدانخواستہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مجھ پر خدمتِ دین کے سارے دروازے بند ہو جائیں تو میں ایسا گاؤں تلاش کروں گا جہاں کی مسجد غیر آباد ہو اور لوگ نماز نہ پڑھتے ہوں، وہاں جا کر اپنے پیسوں سے ایک جھاڑو خریدوں گا اور مسجد کو اپنے ہاتھ سے صاف کروں گا۔ پھر خود اذان دوں گا اور لوگوں کو نماز کی دعوت دوں گا۔ جب وہ مسجد آباد ہو جائے گی تو پھر دوسری مسجد تلاش کروں گا اور وہاں بھی ایسا ہی کروں گا۔"

مدارس کے مہتممین کو مشورہ:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اجلاس میں تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

" مہتمم حضرات ایسے مدرسین کو پسند کرتے ہیں جو ان کی خوشامد کریں، گو تعلیمی استعداد کے لحاظ سے کورے ہی ہوں۔ یہ لوگ اہل فضل و کمال کو نہیں چاہتے۔ کامل کو خوشامدی بننے کی کیا ضرورت ہے، کامل تو پورے استغناء سے رہے گا۔ مہتمم کو اس کے ناز برداشت کرنا ہوں گے اگر کام مقصود ہو۔ جو گائے

دودھ دیتی ہے وہ لات مارتی ہے۔ مزید ارشاد فرمایا: کہ میں مشورہ دیتا ہوں کہ اگر خدمت دین اور معیاری تعلیم چاہتے ہیں تو مہتمم حضرات اپنا مزاج بدلیں۔"

دینی مدرسہ، دنیا یا آخرت کا عذاب:

ارشاد فرمایا:

" اگر دینی مدرسہ دنیا کے لئے بنانا ہے تو آخرت کا سب سے بڑا عذاب ہے اور اگر آخرت کے لئے بنانا ہے تو دنیا کا سب سے بڑا عذاب ہے۔"

تصحیح نیت کی ترغیب:

حضرت کا معمول تھا کہ تعلیمی سال کے آغاز میں قدیم و جدید طلباء کی تصحیح نیت کے لئے تقریر فرماتے جس میں طلباء سے اس بات کا عہد لیتے کہ وہ اس مدرسہ میں علمِ دین کو صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی، اسلام کی بقاء اور حفاظت کی غرض سے حاصل کریں گے۔ اغراضِ دنیا اور ظاہری عیش و راحت کے حصول کی نیت سے نہیں۔ علمِ دین کو نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنانے والے کو اس بچہ کے ساتھ تشبیہ دیا کرتے جس کے ہاتھ میں اس کے باپ نے گوہر نایاب تھما دیا ہو مگر وہ کم فہم بچہ اس بے مثل گوہر کے عوض دکاندار سے پھل لے کر خوش ہو جائے۔

بڑے غصہ میں فرمایا کرتے: " شقی اور ملعون ہے وہ شخص جو علمِ دین کو حصول دنیا کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ایسے بدبخت سے سر پر ٹوکری اٹھا کر مزدوری کرنے والا بدرجہا بہتر ہے۔"

طلبہ کی شکل وصورت:

پھر فرماتے:

" جو طالبِ علم اس مدرسہ میں اسلامی شکل وشباہت اختیار کئے بغیر رہنا چاہتا ہے اور جس کے دل میں علمِ دین کے ذریعہ دنیا کو حاصل کرنے کی تمنا ہے وہ ہمارے مدرسہ میں نہ رہے ورنہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور مدرسہ کے ساتھ بدترین خیانت ہوگی۔"

اخلاص کی برکت:

ارشاد فرمایا:

" ایک شخص اپنے اخلاص کی بدولت الف، با پڑھا کر جنت میں جاسکتا ہے اور دوسرا اخلاص کے بغیر بخاری پڑھا کر اس سے محروم رہ سکتا ہے۔"

عورت، مستور ہے:

ارشاد فرمایا:

" عورت کی ساخت وپرداخت اس کی عادات واطوار اور اس کی گفتار ورفتار، پکار پکار کہہ رہی ہے کہ عورت مستور ہے۔ اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔"

دین اسلام کی متاعِ گراں مایہ کی حفاظت:

ارشاد فرمایا:

" اگر دینی حفاظت کے ادارے دین اسلام کے متاعِ گراں مایہ کی

حفاظت کے لئے جدو جہد نہ کریں تو جو اس کا حشر ہوگا وہ ظاہر ہے۔"

تصویر سازی کی لعنت:

ارشاد فرمایا:

" حدیثِ نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید شدید آئی ہے وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے اور تمام امت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو، کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کر دیا۔"

جب برائی عام ہو جائے:

ارشاد فرمایا:

" برائی کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ عام ہو جاتی ہے اور اس پر گرفت کا بندھن ڈھیلا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی نفرت وحقارت دلوں سے نکلتی جاتی ہے اور قلوب مسخ ہوتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ معیارِ شرافت بن جاتی ہے۔"

اسلام کی کھینچ تان کر من مانی تعبیریں کرنا:

ارشاد فرمایا:

" اسلام کو موجودہ معاشی تحریکوں پر منطبق کرنا، اس کی سراسر مادی تعبیر کرنا اور کھینچ تان کر نصوص سے وہی کچھ منوانا جو آج کے معاشین کہتے ہیں، بدترین غلطی اور مقامِ نبوت سے بے خبری کی دلیل ہے۔"

ورنہ مدرسہ بند کر دیں گے:

فرمایا کرتے تھے کہ:

" ہم نے جس ذات کے لئے مدرسہ قائم کیا ہے اس کو سب کچھ معلوم ہے، وہ خود ہی جب اور جس طرح چاہے گا اسباب و وسائل پیدا فرماوے گا۔

نیز فرماتے تھے کہ ہم تو صرف صحیح کام کرنے کے مکلّف ہیں۔ اگر صحیح طریقہ پر مدرسہ نہ چلا سکیں گے تو بند کر دیں گے، ہم کوئی دین کے ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ صحیح یا غیر صحیح، جائز یا ناجائز جس طرح بھی ممکن ہو مدرسہ جاری رکھیں۔ ہم تو غیر صحیح اور ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی نسبت مدرسہ کو بند کر دینا بہتر بلکہ آخرت کی مسئولیت کے اعتبار سے ضروری سمجھتے ہیں۔"

حضرت شیخ بنوریؒ کے ارشادات اور ملفوظات دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔ درد و محبت، جذب و مستی کے ساتھ اتباعِ سنت، فکر آخرت، احترامِ شریعت اور حدیثِ نبوی کے ساتھ عشق کا جیسا نمونہ ان کی زندگی میں ملتا ہے وہ اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

عارفیؔ از بس ہیں نازک یہ رموزِ حسن و عشق
کون سمجھے گا یہ باتیں اور سمجھائے گا کون

باب : ۲۰

سفرِ آخرت

انسانی زندگی میں موت ایک ایسا فطری عمل ہے جس سے کسی بھی ذی روح کو مفر ممکن نہیں۔ جس نے بھی وجود کا جامہ پہنا، ایک نہ ایک دن اس کا یہ جامہ چاک ہوا۔

سب کے سب ہیں رہ روِ کوئے فنا
جا رہا ہے ہر کوئی سوئے فنا
بہہ رہی ہے ہر طرف جوئے فنا
آتی ہے ہر چیز سے بوئے فنا

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک غار میں دیکھا کہ ایک عظیم الخلقت آدمی چت لیٹا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک پتھر رکھا ہوا ہے جس پر لکھا ہے میں دوستم بادشاہ ہوں، میں نے ایک ہزار سال حکومت کی، ایک ہزار شہر فتح کئے، ایک ہزار لشکروں کو شکست دی، ایک ہزار کنواری عورتوں کے ساتھ شب زفاف کا لطف اٹھایا، آخر میرا انجام کیا ہوا؟ میرا انجام موت ہے، مٹی میرا بچھونا اور پتھر میرا تکیہ ہے، جو مجھے دیکھے وہ دنیا کے دھوکے میں مبتلا نہ ہو۔

قسّام ازل نے ہر جن وانس بلکہ ہر ذرہٗ کائنات کے لئے وجود سے قبل فنا تجویز کر رکھا ہے۔ بقائے دوام صرف خدائے وحدہ لاشرک لہ کے لئے خاص ہے۔ ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ قدرت کا اٹل فیصلہ ہے۔ موت کی آمد میں نہ ایک لمحے کی تاخیر ہوتی ہے اور نہ تعجیل۔ مرنا سب نے ہے لیکن کچھ لوگ مرتے ہیں تو ایک آنکھ بھی ان پر رونے والی نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ مرتے ہیں تو احباب واقرباء کا ایک محدود حلقہ ان پر آنسو بہا لیتا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جب دنیا سے کوچ کرتے ہیں تو ادھر سے اُدھر تک فضا میں اندوہ وملال کا غبار بکھرتا چلا جاتا ہے اور کوئی گن نہیں سکتا کہ کتنی آنکھیں اشکوں میں نہا گئیں۔ ان کے جانے پر اگر روتے روتے آنکھیں بے نور ہو جائیں تب بھی قرار نہیں آتا۔ ان کا جانا دلوں پر بجلی بن کر گرتا ہے۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ فکر فردا اور یادِ ماضی ڈس ڈس کر رات کا سکون اور دن کا چین غارت کر دیتے ہیں ....

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ایسی ہی بلند مرتبہ اور ذی شان ہستیوں میں سے تھے۔

حضرت ابا جانؒ کا آخری سفر:

حضرت شیخ بنوریؒ کے فرزند صاحبزادہ محمد بنوری حضرتؒ کی بیماری اور سفر آخرت کے لمحات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" ۷ اکتوبر کی شام بعد از نمازِ عصر ابا جانؒ گھر کے صحن میں چارپائی پر

تشریف فرما تھے۔ میں چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھا تھا۔ فرمایا ۱۳ اکتوبر جمعرات کو اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس کے لئے اسلام آباد جانا ہے، تمہارا کیا ارادہ ہے۔ چونکہ مجھے ۱۸ اکتوبر کو لاہور جانا ہی تھا تو میں نے عرض کیا کہ اس دفعہ میں سفر میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ آپ ۱۷ کو اجلاس سے فارغ کراچی تشریف لے آئیں گے اور میں اگلی صبح لاہور چلا جاؤں گا۔ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: بہت ہی اچھا رہے گا۔ جمعرات ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء صبح کی پہلی فلائٹ سے اسلام آباد روانہ ہوئے۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی اس جہاز میں ہمراہ تھے۔ ایک گھنٹہ تیس منٹ کی پرواز کے بعد دس بجے کے قریب ہم اسلام آباد پہنچے۔ حضرت اباجانؒ کے لئے جہاز کے پاس کرسی لائی گئی تھی۔ اباجان لاؤنج (LOUNGE) میں تشریف لے گئے۔ سامان میں کافی تاخیر ہوئی۔ فرمارہے تھے کہ تعجب ہے اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ ایئرپورٹ پر قاری سعید الرحمٰن صاحب بھی موجود تھے۔

اباجانؒ اپنی قیام گاہ ایم این اے ہاسٹل پہنچے۔ وضو فرمایا، چائے نوش فرمائی اور اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ دو بجے کے قریب واپسی ہوئی۔ ظہر کی نماز ادا کی اور آرام فرمایا۔ چار بجے بیدار ہوئے، وضو فرمایا اور عصر کی نماز پڑھائی۔ پنڈی سے کچھ حضرات ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے ان سے ملاقات فرمائی اور ان کے ساتھ چائے پی اور پانچ بجے شام کی نشست میں تشریف لے گئے۔ نو بجے قیام گاہ تشریف لائے، عشاء کی نماز پڑھائی اور کھانا تناول فرمایا۔ تھوڑی دیر مطالعہ فرمایا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا ٹیلی فون:

رات گیارہ بجے کے قریب حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کا پنڈی سے فون آیا، ان سے گفتگو فرمائی، صبح حسبِ معمول تہجد کے لئے بیدار ہوئے (ابا جانؒ کا تہجد کا معمول بچپن سے تھا اور آخری وقت تک رہا۔ سفر و حضر میں بھی اہتمام فرماتے تھے اور اس خاص وقت میں بڑے سوز و گداز کے ساتھ دعائیں فرماتے) مجھے نمازِ فجر کے لئے اٹھایا اور اس کے بعد چائے نوش فرمائی۔ فجر کی نماز سے قبل کافی یا چائے پینے کا معمول تھا۔

تم سیر کر آؤ:

اور مجھ سے فرمایا کہ تم اس وقت پہاڑی کی سیر کر آؤ پھر ناشتہ کریں گے۔ چنانچہ واپسی کے بعد ناشتہ فرمایا اور اجلاس میں شرکت کے لئے سوا نو بجے کے قریب تشریف لے گئے۔ مجھ سے کہا کہ تم پنڈی میں جمعہ پڑھالو، مولانا مفتی محمود صاحبؒ کو میرا سلام کہنا، اپنی مصروفیت کی وجہ سے میں ملاقات نہ کرسکا، اس کا عذر کردینا۔ میں رات کو واپس آیا تو خلافِ معمول اجلاس کافی طویل ہوگیا تھا، میں نے فون کیا معلوم ہوا کہ ابھی تھوڑی دیر میں اجلاس ختم ہوجائے گا۔ دس بجے کے قریب تشریف لائے۔

مولانا مفتی زین العابدین صاحب ملاقات کے لئے لاہور سے تشریف لائے تھے، ان سے ملاقات فرمائی اور تھوڑی دیر تخلیہ فرمایا۔ قاری سعید الرحمٰن صاحب پنڈی سے بالٹی گوشت لائے تھے، کھانا تناول فرمایا اور کافی دیر مجھ سے اور قاری صاحب سے باتیں فرماتے رہے۔ گیارہ بجے کے قریب قاری

صاحب واپس تشریف لے گئے (اس قدر مصروفیات کے باوجود ذرہ بھر چہرہ پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں نہ تھے) گیارہ بجے کے قریب آرام فرمایا۔ صبح حسبِ معمول تہجد ادا فرمائی اور مجھے نمازِ فجر کے لئے اٹھایا۔

زندگی کی آخری امامت:

اور نمازِ فجر کی امامت فرمائی (کسے معلوم تھا یہ آپ زندگی کی آخری امامت فرما رہے ہیں اور ہمیں پھر ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل نہیں ہوگی) چائے نوش فرمائی اور کام میں مشغول ہوگئے۔ آٹھ بجے کے قریب ابا جانؒ کے ایک مخلص دوست پنڈی سے ناشتہ لائے تھے۔ ناشتہ تناول فرمایا اور ان سے عذر کرکے کہ مجھے کچھ کام کرنا ہے، اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔

گلے کی تکلیف:

سوا نو بجے کے قریب ابا جانؒ کے پاس گیا تو فرمایا کہ گلے میں نئی قسم کی تکلیف ہو رہی ہے۔ ان کے ساتھ دوائیوں کا بیگ جو مستقل رہتا تھا فرمایا کہ اس میں سے فلاں دوا کھلا دو۔ چنانچہ حسبِ ارشاد وہ دوائی کھلا دی گئی۔ میرے دل میں کھٹکا سا لگا کہ کہیں یہ دل کی تکلیف نہ ہو۔ ابا جانؒ بلڈ پریشر کے مستقل مریض تو تھے ہی اس سے دو سال قبل دل کی تکلیف ہوئی تھی، میں نے عرض کیا کہ رات کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی۔ فرمایا اجلاس کے دوران تھوڑی دیر کے لئے بایاں ہاتھ سُن ہو گیا تھا۔ میں یہ سن کر گھبرایا، اتفاقاً ایک ڈاکٹر ہاسٹل میں آیا ہوا تھا، اس کو بلایا۔ اس نے بلڈ پریشر چیک کیا اور کہا کہ

لو(LOW) ایک سو دس درجہ تک ہے جو اصلی حالت سے تیس درجے بڑھا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قریبی ہسپتال سے دل کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کو بلالیا جائے، فرمایا اس کی حاجت نہیں، ریاحی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اس کو دکھلا کر اطمینان ہو جائے گا۔ فرمایا جیسے تمہاری رائے ہو۔ اسی وقت مولانا عبداللہ صاحبؒ اسلام آباد والے اور مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ ملاقات کے لئے تشریف لائے، میں نے ساری صورتِ حال بتلادی۔ انہوں نے فوراً پولی کلینک میں ڈاکٹر سید شوکت سے رابطہ قائم کیا اور ہسپتال لے جانے کا مشورہ ہوا۔ چنانچہ مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کی کار میں ہسپتال لے جایا گیا، ڈاکٹر نے معائنہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت تین روز ہسپتال میں آرام فرمائیں۔ اباجانؒ نے انکار فرمایا۔ ڈاکٹر نے مجھ سے علیحدگی میں کہا کہ قلب پر اثر پڑا ہے اور تین روز شدید احتیاط کی ضرورت ہے اور دوائی دے دی۔ قیامگاہ واپس تشریف لائے، دوا کھلائی اور تمام پروگرام منسوخ کردیئے اور آرام فرمایا۔ ڈیڑھ بجے کے قریب میں کمرہ میں گیا تو کچھ کھانے کو طلب فرمایا۔ دلیہ جو موجود تھا پیش کیا گیا، وہ تناول فرمایا۔ مجھ سے فرمایا کہ اب تک سر پر بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا ان شاء اللہ آرام ہو جائے گا۔ وضو فرمانے کے لئے حمام تشریف لے گئے تاکہ ظہر کی نماز ادا کرسکیں، اتفاق سے اس وقت سوائے ایک صاحب کے اور کوئی موجود نہیں تھا۔

میں اباجان، اباجان پکارتا رہا:

اباجانؒ وضو فرما کر باہر تشریف لائے، میں دوسرے کمرے میں تھا۔ اتنے

میں ان صاحب نے آواز دی جلدی آجاؤ۔ میں گیا تو اس وقت ابا جانؒ پر بے ہوشی طاری تھی۔ مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ میں اپنی اس کیفیت کو ضبطِ تحریر میں نہیں لاسکتا اور نہ اس کیفیت کا اظہار ممکن ہے۔ میں بہت ہی گھبرایا اور بدحواسی کے عالم میں ابا جانؒ، ابا جانؒ پکارتا رہا اور ہلایا بھی لیکن بے سود۔ ایسے محسوس ہورہا تھا کہ آج میرے محسن و مشفق باپ مجھ سے روٹھ گئے اور اب شاید جدائی کا وقت آپہنچا ہے۔ میں نے ہسپتال میں ڈاکٹر کو فون کرنا چاہا لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ میں دل میں دعا کررہا تھا یاارحم الراحمین! تو مجھ سے میرے عظیم اور مشفق باپ کو جدا نہ کر، ان کے وجود کی صورت میں جو عظیم نعمت میسر ہے وہ ہم سے ہماری بداعمالیوں کے سبب چھین نہ لے۔ میں اس پریشانی کے عالم میں کمرے کے باہر کھڑا تھا۔

انابت الی اللہ:

اتنے میں مفتی سیاح الدین صاحب جسٹس چیمہ کی کار میں آئے۔ میں نے فوراً ان کو ناگہانی حادثہ کی اطلاع دی۔ چیمہ صاحب، مفتی صاحب کے ہمراہ فوراً کمرے میں ابا جانؒ کے پاس آئے۔ ابا جانؒ اس وقت ہوش میں آچکے تھے۔ انہوں نے سلام کیا۔ ابا جانؒ نے سلام کا جواب دیا اور زبان مبارک پر استغفر اللہ اور انا للہ کا تکرار جاری تھا اور اپنی اس تکلیف کا نہ شکوہ تھا نہ شکایت۔

اپنے رب کی طرف کامل متوجہ تھے۔ اتنے میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور قاری سعید الرحمٰن صاحب بھی آگئے۔

اللہ ان کے ساتھ ہے:

اباجانؒ نے ان سے فرمایا: نئی کیفیت ہے اور شدید حملہ ہے۔ میرے متعلق فرمایا: اس سے کہو گھبرائے نہیں، اللہ ان کے ساتھ ہے۔ ہسپتال لے جانے کا مشورہ ہوا۔ سی ایم ایچ پنڈی لے جانا طے پا گیا اور انتظامات کر لئے گئے۔ اباجانؒ سے عرض کیا کہ ہسپتال لے جانا طے ہوا ہے۔ فرمایا ڈاکٹر نہیں سمجھ سکیں گے۔

میں جا رہا ہوں:

غالباً یہ بھی فرمایا کہ میں جا رہا ہوں۔ سی ایم ایچ سے کافی دیر کے بعد بھی ایمبولینس نہیں پہنچ سکی۔ آخر پولی کلینک اسلام آباد کی ایمبولینس میں لے جانے کے لئے اباجانؒ کے پاس میں اور قاری سعید الرحمٰن صاحب اور مولانا تقی عثمانی صاحب آئے اور عرض کیا گاڑی آ گئی ہے۔

وضو کرا دو:

فرمایا: جیسے تمہاری مرضی اور ہسپتال چلنے پر آمادہ ہو گئے اور مجھ سے کہا وضو کرا دو اور کپڑے تبدیل کر دو کیونکہ پسینہ اس قدر آ رہا تھا جیسے کسی نے پانی ڈال دیا ہو۔ رنگ تو بالکل سفید ہو چکا تھا۔ میں نے عرض کیا یہاں وضو کرانے میں آپ کو تکلیف ہو گی کیونکہ اباجانؒ اس وقت بالکل حرکت کرنے کے قابل نہ تھے۔ ہسپتال میں سارا انتظام ہو گا، تھوڑی دیر میں پہنچ جاتے ہیں۔ فرمایا: اچھا، اور ہم ہسپتال لے گئے۔

ڈاکٹروں نے نظر بند کردیا ہے:

اباجانؒ کو ہسپتال میں داخل کرادیا گیا۔ ڈاکٹروں نے ملاقات پر شدید پابندی لگادی۔ رات ساڑھے نو بجے مجھے اور مولانا مفتی زین العابدین صاحب کو اندر جانے کی اجازت ملی۔ ہم گئے تو اس وقت اباجانؒ کو آکسیجن لگی ہوئی تھی۔ ہمیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ڈاکٹروں نے نظر بند کردیا ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ ہم پر فضل فرمائیں گے اور واپس آگئے۔ ہسپتال کے باہر دو آدمی اور گاڑی چھوڑ دی تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کے وقت ہمیں اطلاع مل جائے۔ رات ساڑھے گیارہ بجے ہسپتال سے مزید دوائیاں منگوائی گئیں جو پہنچادی گئیں۔

کراچی لے جانے کا انتظام کرلو:

دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب مجھے دوبارہ دیکھنے کی اجازت ملی۔ میں اندر گیا، اباجانؒ نے مجھے اشارہ سے قریب بلایا۔ فرمایا: "کل سے میں نے قضائے حاجت نہیں کی تھی۔ جس طرح ڈاکٹر کرانا چاہتے ہیں وہ میں نے پسند نہیں کیا۔ جس طرح میں کرنا چاہتا تھا، اس کی ڈاکٹروں نے اجازت نہیں دی، اب میں صبح فارغ ہوا ہوں، اب پھر کل کی طرح تکلیف محسوس ہورہی ہے لیکن ہلکی ہلکی، تم کراچی لے جانے کا انتظام کرلو۔"

میں نے عرض کیا کراچی سے ڈاکٹر عبدالصمد آج شام پہنچ جائیں گے، ان سے مشورہ کرلیا جائے گا۔ میں اجازت لے کر واپس باہر آیا کیونکہ مجھے وہاں پر ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اباجانؒ کو اللہ کے سپرد کردیا۔ آہ! میرے

ساتھ یہ اباجانؒ کی آخری گفتگو تھی۔ کسے معلوم تھا اب ہمیں ان کی گفتگو سننا نصیب نہ ہوگی۔

میں نہیں اٹھوں گا:

شام کو ڈاکٹر عبدالصمد کراچی سے تشریف لے آئے۔ رات گیارہ بجے اباجانؒ کا معائنہ کیا اور مجھ سے کہا کہ ان کو ایمرجنسی روم میں مزید تین دن رہنا پڑے گا اور ایک مہینہ تک سفر کے قابل نہیں ہوں گے۔ تم صبح ساڑھے آٹھ بجے قاری سعید الرحمٰن کے ساتھ بریگیڈیئر کے ڈی حسن سے مل لینا اور ان سے کرنل لطیف اختر کے بجائے کرنل ذوالفقار صاحب کے معالج ہونے کی درخواست کرنا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ اس وقت تشویش کی بات نہیں لیکن آئندہ تین چار روز شدید احتیاط کی ضرورت ہے اور یہ بھی کہا کہ اباجانؒ سے جب میں نے مکمل آرام کی درخواست کی تو فرمایا: اب میں نہیں اٹھوں گا۔ (کسے معلوم تھا کہ واقعی اب وہ نہیں اٹھیں گے)

سانحہ وفات:

صبح ساڑھے آٹھ بجے بریگیڈیر سے ملاقات کی۔ انہوں نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور مجھ سے کہا کہ تم ہسپتال تو نہیں گئے۔ میں نے کہا کہ میں گیا نہیں ہوں، ابھی جاؤں گا۔ میں اس کے اشارہ کو سمجھ نہ سکا۔ قاری صاحب کو تنہائی میں اباجانؒ کے سانحہ وفات کی خبر بتلائی کہ میں ہسپتال پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ پانچ بجے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لیکن ہمیں اتنی تاخیر کی اطلاع سے اور شدید صدمہ ہوا، لیکن کیا

کر سکتے تھے سوائے رضاء بالقضاء کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

میں مرتے وقت تک بولتا رہوں گا:

یہاں پر دو واقعات لکھ دوں۔ ابا جانؒ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں مرتے وقت تک بولتا رہوں گا، میرے بولنے سے اندازہ مت لگاؤ، میری صحت کتنی گر گئی ہے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے اللہ پاک سے میں یہی دعا کرتا ہوں کہ جب میری حیات باقی ہو کسی کا محتاج نہ بنوں۔

چار چیزوں کی دعا:

اور میری زندگی اگر مقدر ہو تو چار چیزوں کے ساتھ: (۱) صحت (۲) قوت (۳) ہمت (۴) توفیق مرضیات۔ فرمایا یہی چاروں چیزیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ پاک نے ان کی دونوں تمنائیں پوری فرمائیں اور اخیر وقت تک کسی کے محتاج نہیں رہے اور اخیر وقت تک بولتے رہے۔ آخر وقت میں کیا ہوا، کیا نہیں ہوا، اس کی ہمیں کچھ خبر نہیں کیونکہ ہم میں سے کسی کو ساتھ رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

عالمِ بالا سے رابطہ قائم ہو چکا ہے:

ایک صاحب نے آخر وقت کی تفصیل ہسپتال والوں سے معلوم کی تو معلوم ہوا کہ صبح ساڑھے چار بجے بیدار ہوئے، وضو فرمایا اور متعین ڈاکٹر سے فرمایا کہ تکلیف ہو رہی ہے۔ اس نے فوراً انجکشن لگانا چاہا منع فرمایا۔ فرمایا بس میرا عالمِ بالا سے رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ جا رہا ہوں اور وصال فرما گئے۔ کراچی لے

جانے کے انتظامات کئے گئے۔ بارہ بجے کے قریب جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ میں غسل دیا گیا اور تکفین کی گئی۔ تین بجے نمازِ جنازہ ہوئی۔ پانچ بجے کے جہاز سے کراچی لے جایا گیا اور یہاں جنازہ کے بعد مدرسہ کے احاطہ میں تدفین عمل میں لائی گئی۔" (خصوصی نمبر،۷۰)

متانت اور روحانیت کا عجیب امتزاج:

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (پنڈی والے) بھی حضرت بنوریؒ کی وفات اور آخری ایام میں حضرتؒ کے بالکل قریب تھے۔ وہ اپنے چشم دید حالات اور کیفیات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" یہ ۱۳، اکتوبر ۱۹۷۷ء جمعرات کا دن ہے، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کے ساتھ ان کے دورۂ قاہرہ کے انتظامات کے سلسلہ میں ایک دفتر جانا تھا۔ راستہ پر عرض کیا کہ میں آپ سے جلد رخصت ہو جاؤں گا اس لئے کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ آج کراچی سے تشریف لا رہے ہیں، ان کے استقبال کے لئے ایئرپورٹ جانا ہے۔ مفتی صاحبؒ نے فرمایا بہت اچھا۔ میں اپنے ایک دوست پیر عبدالقیوم شاہ کی کار میں ایئرپورٹ گیا۔ کچھ دیر بعد معمولی تاخیر سے جہاز آ گیا۔ حضرت بنوریؒ مع اپنے صاحبزادہ محمد بنوری اور رفیق سفر مولانا تقی عثمانی تشریف لائے۔ مسکراتا ہوا چہرہ، طبیعت ہشاش بشاش، متانت اور روحانیت کا عجیب امتزاج۔

حضرت بنوریؒ کا آخری سفر:

چونکہ جہاز کی آمد میں کچھ تاخیر ہوگئی تھی اس لئے حضرتؒ نے ازراہ

شفقت فرمایا کہ اتنی انتظار کر کے تم نے بڑی تکلیف کی ۔ حالانکہ تکلیف کیا؟ حضرتؒ کی تشریف آوری ہمیشہ ہماری خواہشوں اور مسرتوں کا باعث ہوتی ۔ کیا معلوم تھا کہ یہ سفر حضرتؒ کا آخری سفر ہے اور اس سفر کا اختتام مسرت کی بجائے رنج والم، فراق وفغان پر ہوگا۔

اظہارِ محبت وشفقت:

آپ چونکہ اسلامی مشاورتی کونسل میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے اس لئے سرکاری گاڑی لینے کے لئے آئی تھی ۔ میں اپنے ساتھی پیر عبدالقیوم صاحب کی گاڑی میں بیٹھنے لگا۔ حضرتؒ نے فرمایا نہیں ! ہمارے ساتھ بیٹھو اور آئے ہوئے سرکاری نمائندوں کو دوسری گاڑی میں بیٹھنے کو فرمایا ۔ یہ صرف حضرتؒ کی محبت وشفقت کا اظہار تھا جو قدم قدم پر حاصل رہی ۔ اسلام آباد جاتے ہوئے مختلف موضوعات پر ہلکی پھلکی بات چیت ہوتی رہی ۔ اسلام آباد کے مین روڈ پر جب بھی کبھی موٹر پہنچتی تو حضرتؒ اس منظر کی بڑی تعریف فرماتے ۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ہم گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد پہنچے، کمرہ نمبر۳ حضرتؒ کے لئے منتخب کیا گیا۔

صفائی کا اہتمام:

حضرتؒ کی طبیعت میں نفاست اور صفائی بہت زیادہ تھی ۔ ہر چیز کو قرینہ اور ترتیب سے رکھنا طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی ۔ اس کمرہ کے قرینہ اور ترتیب کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا اور ازراہِ شکوہ فرمایا کہ پہلی مرتبہ جس کمرہ میں قیام تھا اس میں صفائی بالکل نہ تھی جس کی وجہ سے طبیعت مانوس نہیں ہورہی تھی ۔

چند منٹ ضروری حوائج سے فارغ ہو کر گیارہ بجے اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس دن صبح و شام دونوں اجلاسوں میں حضرتؒ نے شرکت فرمائی۔ رات عشاء کے وقت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے اجلاس کی کارروائی کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا اور ایک گونہ پیش رفت پر اظہارِ اطمینان فرمایا۔

یا رفیق نعم الرفیق:

میں نے حضرتؒ کی خدمت کے لئے اپنے دوست حافظ محمد رفیق صاحب کو متعین کر دیا تھا جن کے خادمانہ جذبہ اور دلچسپ طبیعت کی وجہ سے حضرتؒ ان کو "یا رفیق نعم الرفیق" کہہ کر پکارتے۔ حضرت مولانا غلام حیدر صاحب مبلغ تحفظ ختم نبوت اسلام آباد بھی ہر وقت خدمت کے لئے مستعد رہتے۔

جمعہ کے دن حضرتؒ مشاورتی کونسل کے اجلاس میں صبح ساڑھے نو بجے تشریف لے گئے جو تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا۔ واپسی میں نماز مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں مولانا عبداللہ صاحبؒ کے یہاں ادا فرمائی جو حضرتؒ کے تلمیذِ خاص ہیں۔ تقریر مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمائی۔ حضرت بنوریؒ اکثر جب پنڈی تشریف لاتے تو جمعہ کی تقریر ہمارے یہاں جامعہ اسلامیہ میں فرماتے یا مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں۔ اس بار خود میں نے حضرتؒ کی طبیعت کی کمزوری اور کونسل کے اجلاس میں مشغولیت کی وجہ سے عرض نہیں کیا۔ عزیز محمد بنوری، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سے

ملاقات اوران کا خطبہ جمعہ سننے کے لئے ہمارے یہاں آ گئے تھے۔ جمعہ کے بعد چونکہ مفتی صاحب کو قاہرہ روانہ ہونا تھا اس لئے بعدِ نمازِ جمعہ مفتی صاحب نے حضرت بنوریؒ سے ٹیلی فون پر طویل گفتگو فرمائی۔ دورہ قاہرہ کے سلسلہ پر بعض شخصیات کے بارے میں دریافت کیا۔ ہدایات اور معلومات حاصل کیں۔

مولانا مفتی محمودؒ سے محبت:

حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت بنوریؒ کا تعلق بڑے خلوص، محبت اور احساس جوہر شناسی پر مبنی تھا۔ حضرت بنوریؒ ہمیشہ اپنے مشوروں سے نوازتے رہے۔ کراچی میں ہمیشہ حضرت مفتی صاحبؒ کا قیام مدرسہ نیو ٹاؤن میں رہتا۔ میں اور عزیزم محمد بنوری مفتی صاحب کو ائیر پورٹ پر رخصت کرنے کے بعد اسلام آباد آ گئے۔ عشاء تک حضرت بنوریؒ کی آمد کا انتظار کرتے رہے مگر کونسل کا اجلاس کافی طویل ہو گیا اور ساڑھے نو بجے کے بعد تک جاری رہا۔ حضرتؒ پونے دس بجے تشریف لائے۔

مولانا مفتی زین العابدین صاحب اور جناب میاں الحاج محمد اقبال صاحب ڈی ایم ملز والے، جن کو اپنے اکابر علمائے دیوبند سے بڑی عقیدت ہے، ملاقات کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ چار پانچ گھنٹہ مسلسل اجلاس میں شرکت کے باوجود حضرتؒ کے چہرہ پر تھکان کے کوئی اثرات نمایاں نہیں تھے۔ ان حضرات نے تخلیہ میں چند منٹ ملاقات کی اور تشریف لے گئے۔

نماز اطمینان سے:

حضرتؒ سے میں نے عرض کیا کہ نماز پہلے پڑھیں گے یا کھانا تناول فرمائیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا جمعہ کے بعد جب میں آیا تو ایک تو ساتھ کوئی تھا بھی نہیں، بھوک بھی نہیں تھی اس لئے اس وقت کھانا نہیں کھایا۔ اب بھوک ہے، پہلے کھانا کھائیں گے، بعد میں اطمینان سے نماز پڑھیں گے۔ میں اپنے یہاں سے کھانا لے گیا تھا، حضرتؒ نے بڑے شوق سے تناول فرمایا۔ دورانِ گفتگو چند اہم دینی امور پر تشویش کا اظہار فرمایا۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے ملاقات کا ارادہ:

اور اس بارے میں مجھے فرمایا کہ جنرل محمد ضیاء الحق سے ملاقات کے لئے کل کوئی وقت مقرر کرلو، ان سے کچھ اہم معاملات پر گفتگو کرنی ہے۔ میں سوا گیارہ بجے حضرتؒ سے رخصت ہوا۔ صبح حسبِ معمول حضرتؒ تہجد کے لئے اٹھے اور فجر تک اذکار و اوراد میں مشغول رہے۔ نمازِ فجر کے بعد حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا عبدالستار صاحب، قاری محمد امین صاحب اور حاجی محمود صاحب حاضر ہوئے۔ حاجی محمود صاحب اپنے گھر سے حضرتؒ کے لئے ناشتہ لے گئے تھے۔ کافی دیر بعد بیت الخلاء تشریف لے گئے۔ واپس آئے، طبیعت پر کچھ اثر ہوا، بڑی مشکل سے چارپائی تک پہنچے۔ ہاتھوں میں تناؤ کی کیفیت تھی۔ فرما رہے تھے مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی میرا گلہ دبا رہا ہے۔ حضرتؒ اپنے گلے کو دبا رہے تھے۔ حضرتؒ کے تلمیذ مولوی حسین علی صاحب نے آہستہ آہستہ گلے کی مالش کی جس سے کچھ سکون

محسوس ہونے لگا لیکن درد کی کیفیت تھی۔ مجھے عزیزم محمد بنوری نے فون کیا کہ حضرتؒ کی طبیعت خراب ہے اور فرمارہے ہیں کہ جنرل صاحب سے ملاقات کے لئے وقت نہ لیں۔

ہمیں تو مہمان لینے کے لئے آ گئے ہیں:

حضرتؒ پر ۱۷، اکتوبر بروزِ سوموار ۵ بجے کے قریب آخری دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس موقع پر موجود ڈاکٹروں نے دوا دینی چاہی مگر بقول اس وقت موجود اسٹاف کے حضرتؒ نے فرمایا کہ "ہمیں تو مہمان لینے کے لئے آ گئے ہیں، اب دوائی بس کریں اور ہم تو چلے" یہ کہہ کر ذرا بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا اور السلام علیکم کہہ کر قبلہ کی طرف منہ کرلیا اور اپنے محبوبِ حقیقی سے اس کی راہ میں اس کے دین کی تڑپ اور جدو جہد میں جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

تدفین کا مشورہ:

ہسپتال کی طرف سے پہلے اطلاع مارشل لاء حکام اور پھر جسٹس محمد افضل چیمہ صاحب کو ملی اور ان کے ذریعہ سے ہم سب کو اطلاع ملی۔ چنانچہ ہم سب ہسپتال پہنچے۔ لغاری صاحب اور ڈاکٹر عبدالصمد صاحب پہلے ہسپتال پہنچ گئے تھے۔ سب مدارس میں اطلاع دے دی گئی۔ راولپنڈی اور دوسرے شہروں میں اطلاع کا کام قاری محمد یعقوب صاحب کے سپرد کردیا۔ حضرتؒ کی میت جامعہ اسلامیہ لائی گئی۔ تدفین کے بارے میں مشورہ ہوا، کچھ حضرات کی رائے آبائی شہر پشاور میں تدفین کی تھیں۔ کراچی جس میں حضرتؒ نے اپنا

آخری اور زرّیں دور گزارا ہے اور جہاں حضرتؒ کی امیدوں کا مسکن مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن ہے، اطلاع دی گئی اور تدفین کے بارے میں ان سے مشورہ ہوا۔ مدرسہ نیوٹاؤن کے اساتذہ کرام اور مسجد کمیٹی نے باہمی مشورہ سے مدرسہ میں قبر کی جگہ کا انتخاب کیا۔ ڈھائی بجے کے جہاز سے روانگی طے پائی۔ اسی مناسبت سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جارہا تھا۔

اعلان نمازِ جنازہ:

پہلے ایک بجے نمازِ جنازہ کا اعلان ہوا۔ راقم اور لغاری صاحب پی آئی اے میں روانگی کے انتظامات اور دوسرے سلسلوں میں کچھ دیر مصروف رہے۔ ریڈیو سے حضرتؒ کی وفات کی خبر کا اعلان بارہ بجے سے مسلسل ہوتا رہا۔ جہاز میں ۴ اور پھر ۵ بجے تک تاخیر کی وجہ سے نمازِ جنازہ میں تاخیر کردی گئی اور بعدِ ظہر ۳ بجے کا اعلان کردیا گیا۔

اضطراب کا عالم:

راولپنڈی، اسلام آباد اور قرب و جوار کے شہروں سے متعلقین پہنچنا شروع ہوگئے۔ علماء، صلحاء اور اتقیاء کا عجیب مجمع تھا۔ ہر شخص عالمِ اضطراب میں تھا۔ اس اچانک حادثہ کی وجہ سے ہر شخص ساکت و صامت حیرانگی سے ایک دوسرے کو تسلی دینے کی کوشش کررہا تھا کیونکہ غم کسی ایک کا نہ تھا بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا تھا۔ ہر شخص تعزیت کا مستحق تھا۔ علماء اس لئے تعزیت کے مستحق تھے کہ ان کی صفوں کا سپہ سالار داغِ مفارقت دے گیا۔ طلباء اس لئے کہ ان کا مربی اور مشفق نہ رہا۔ عوام اس لئے کہ ان کا رہنما اور بے لوث خادمِ اسلام

دنیا سے منہ موڑ چکا تھا۔ صوفیاء اس لئے کہ سوز و گداز کا مجسمہ آج ان میں نہ رہا۔ جدید طبقہ اس لئے کہ مسائل حاضرہ کا اسلامی حل پیش کرنے والا اللہ کے حضور پہنچ گیا۔

ہم یتیم ہوگئے:

ایک صحافی کی کیفیت ابھی تک ذہن میں ہے۔ وہ جامعہ اسلامیہ کے بڑے گیٹ کے ساتھ کھڑا رو رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مولانا بنوریؒ کے بعد ہم یتیم ہوگئے۔ میرے خیال میں اس صحافی کی ایک آدھ مرتبہ ہی حضرتؒ سے کہیں ملاقات ہوئی ہوگی لیکن محبت کا یہ عالم تھا۔

آخری غسل:

حضرتؒ کو غسل دینے میں مولانا عبدالرشید، مولانا عبدالستار، مولانا محمد رمضان، قاری محمد یعقوب، مولانا ثناء اللہ، مولانا محمد بشیر مدرسین جامعہ اسلامیہ نے شرکت کی۔ نمازِ ظہر سے قبل بڑا اجتماع ہوگیا۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب (اکوڑہ خٹک) کو بھی ٹیلیفون سے اطلاع دی گئی تھی۔ وہ بھی تشریف لے آئے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سرگودھا، مولانا غلام اللہ خان، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد ایوب جان بنوری، مولانا محمد شریف (ملتان) کے علاوہ گوجرانوالہ، فیصل آباد، جہلم، گجرات، پشاور، کیمبس پور، ہزارہ کے سینکڑوں علماء، صلحاء جنازہ میں پہنچ گئے تھے۔ نمازِ ظہر سے قبل مولانا غلام اللہ خان صاحب نے حضرت بنوریؒ کے حالات بیان کر کے لوگوں کو رلایا۔ بعدِ ظہر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے

حضرتؒ کی روحانی و علمی زندگی پر پر درد انداز میں روشنی ڈالی۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی:

ٹھیک تین بجے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آدھ گھنٹہ تک لوگ دیدار کرتے رہے۔ ساڑھے تین بجے تابوت بند کردیا گیا۔ ۴ بجے ایئر پورٹ روانہ ہوئے۔

اک جنازہ جارہا ہے ہوا کے دوش پر:

کراچی جانے والوں میں راقم، برادرِ مکرم مولانا محمد تقی صاحب، عزیز محمد بنوری، مولانا محمد ایوب جان بنوری صاحب، عزیز خالد بنوری، جناب سردار میر عالم خان صاحب لغاری اور ڈاکٹر عبدالصمد صاحب شامل تھے۔ جہاز سوا چھ بجے راولپنڈی سے روانہ ہوا۔ کیا یہ عجیب معاملہ ہے، جن فضائی راستوں میں اللہ کا یہ مجاہد ہزاروں میل اسلام کی سربلندی کے لئے سفر کرتا رہا، آج وہی جہاز حضرتؒ کی میت کو لئے ہوئے اڑتا جارہا تھا۔ قرآنی آیت ﴿و ما تدری نفس ماذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت﴾ کا مشاہدہ ہورہا تھا۔ اللہ نے حضرتؒ کو شہادت کے مرتبہ سے نوازنا تھا کہ غریب الوطنی میں خدا کے دین کے لئے سفر اور وہیں سے اپنے یہاں بلایا۔

کراچی میں جنازہ کا منظر:

۸ بجے جہاز کراچی پہنچا۔ ہزاروں انسانوں کا ہجوم آج امڈ آیا تھا۔ ہوائی جہاز تک ایمبولینس کا انتظام تھا۔ تابوت اس میں رکھا گیا۔ حضرتؒ کے خصوصی

خدام اس میں سوار ہوئے۔ سینکڑوں موٹروں کا جلوس میلوں پھیلا ہوا مدرسہ نیو ٹاؤن کی طرف رواں دواں تھا۔ کراچی کے لوگوں کی محبت و عقیدت کا اندازہ میں نے اس دن لگایا۔ لوگ ایمبولینس کو ہاتھ لگاتے اور دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ ۹ بجے مدرسہ نیو ٹاؤن پہنچے۔ تابوت گھر لے جایا گیا اور میت مبارک کو تابوت سے نکال کر دیدار کرایا گیا۔ نیو ٹاؤن مسجد کا صحن اور ملحقہ حصہ اپنی وسعت کے باوجود لاکھوں عقیدت مندوں کے لئے تنگ ہو گیا تھا۔ ساڑھے نو بجے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جس مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں حضرتؒ نے زندگی کا اہم دور صرف کیا، آج اسی کے ایک گوشہ میں آرام فرما رہے ہیں۔" (خصوصی نمبر، ص ۲۷)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا خطاب:

راولپنڈی میں حضرت بنوریؒ کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے قبل استاذی الکریم محدثِ کبیر حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ نے جو مختصر خطاب فرمایا اور حضرت بنوریؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ہم حضرت شیخ الحدیثؒ کے خطاب سے محدث العصر حضرت بنوریؒ کی سوانح کے ان ابواب کا خاتمہ کر رہے ہیں۔ گویا حضرت شیخ الحدیثؒ کا خطاب خاتمہ مسک بن رہا ہے۔

" محترم بزرگو! آج دارالعلومِ دیوبند کے علوم خصوصاً علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علمی اسرار و نکات کا حامل ہم سے جدا ہو گیا۔ پاکستان اکابر کے سایہ سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت

مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہم سے چلے گئے تھے اور اب پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے علوم اور ان کے برکات سے بھی محروم ہو گئے۔

اکابر کے علوم کے امین:

حضرت مولاناؒ علماء دیوبند کے فیوضات کے خزینہ اور اکابر دار العلوم کے علوم کے امین تھے۔ تمام علوم پر حاوی خصوصاً احادیث میں انتہائی مہارت تھی۔ خداداد ذہانت اللہ تعالیٰ نے انہیں دی تھی۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری کی تالیف اور طباعت میں آپ کا بھرپور حصہ ہے۔ آج ہم اور پورا پاکستان حاملِ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات سے محروم ہو گیا۔

علماء کے سربراہ:

حضرت مولانا بنوریؒ نے فتنہ قادیانیت کے قلع قمع میں ہماری سرپرستی فرمائی۔ وہ نہ صرف ایک محدث اور ایک مدرس تھے بلکہ بین الاقوامی مسائل، مشکل اور پیچیدہ مسائل پر بھی اسلامی نقطہ نگاہ پورے وثوق کے ساتھ پیش کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی اسلامی نظریاتی کونسل کے سلسلہ میں کہ قوانین کو اسلامی بنایا جائے، تشریف لائے تھے۔ آج وہ کونسل ملکی و بین الاقوامی مسائل پر شرعی حیثیت سے روشنی ڈالنے والے بزرگ سے محروم ہو گئی۔ اگرچہ اسلامی کونسل میں شامل حضرت مولانا مرحوم کے رفقاء بھی علماء تھے مگر حضرت بنوریؒ تو اکابر علماء میں سے تھے۔ اپنے دور میں علماء کے سربراہ تھے۔ تو آج ہم سب اور عالمِ اسلام ایسی مبارک ہستی سے محروم ہو گیا جس کا

بدل فی الحال نہیں ملتا۔ علمِ حدیث میں مولانا کی تصانیف کو دیکھ کر ان کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مولانا مرحوم کی ترمذی شریف کی شرح معارف السنن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اسرار و لطائف کی کثرت ہے۔ کسی اہم مسئلہ کے متعلق کتبِ احادیث میں بکھرا ہوا مواد ایک جگہ مل جاتا ہے۔ بے شمار کتابوں کے حوالے اور مواد یکجا ہوتا ہے اور طویل طویل شروح کے ڈھونڈنے سے انسان بچ جاتا ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے، پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ علماء کے سربراہ سے محروم ہو گیا۔ حاملِ حدیث نے فرضِ کفایہ پورا فرما دیا۔ (فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء) یہ ان کی آخری تصنیف اور آخری یادگار اور فتنہ آخر الزمان کے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے نقش قدم پر چلا کر عافیتِ دارین اور خاص کر نجاتِ اخرویہ نصیب کرے۔" (خصوصی نمبر، ص ۷۵۳)

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد
و اٰلہ و صحبہ اجمعین

مولانا عبد القیوم حقانی کی تصنیفات



القاسم اکیڈمی ● جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ ● سرحد پاکستان